تصانیف احمدیہ

حصہ اول

جلد نہم

مشتمل بر

کتب و رسائل مذہبی

تفسیر القرآن

جلد ہفتم

تفسیر سورۂ کہف سورۂ مریم سورۂ طٰہٰ

سنہ ۱۳۲۲ھ مطابق سنہ ۱۹۰۴ء

حسب فرمایش آنریری منیجر ڈیوٹی بک ڈپو مدرستہ العلوم علی گڈہ بہ تصحیح مولوی سید جلال الدین حیدر صاحب

در مطبع عام مفید آگرہ باہتمام محمد قادر علیخان صوفی طبع شد

طبع اول

مختصر فہرست کتب موجودہ دوکان الفرض مدرستہ العلوم علی گڈہ

نام کتاب	قیمت
حمائل شریف۔ مترجمہ ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی۔ کاغذ سفید متن حنائی مجلد معہ نقرئی بیل۔	سے ۴/
ایضاً " " ایضاً " " " بلا جلد	عہ ۸/
قرآن شریف " " ایضاً " " " مجلد	ملے ۱۰/
ایضاً " " ایضاً " " " بلا جلد	سے/
قرآن شریف مترجم ہشت بیل معہ ترجمہ تفسیر حسینی اُردو۔ کاغذ سفید ولایتی بلا جلد۔	معہ/
ایضاً " ایضاً " دیسی "	سے/
تفسیر القرآن جلد اول مصنفہ سر سید احمد مرحوم اِس جلد میں سورۂ فاتحہ اور سورہ بقر کی تفسیر ہے مطبوعہ مفید عام آگرہ مجلد مطلا	سے ۸/
ایضاً " " " " " " مجلد سادہ	عصا ۱۲
تفسیر القرآن جلد دوم اِس جلد میں سورۂ آل عمران۔ سورہ نساء اور سورہ مائدہ کی تفسیر ہے مطبوعہ مفید عام آگرہ مجلد مطلا	سے ۸/
ایضاً " " " " " " مجلد سادہ	عصا ۱۲/
تفسیر القرآن جلد سوم اِس جلد میں سورہ انعام اور سورہ اعراف کی تفسیر ہے مطبوعہ ٹائپ کاغذ سفید مجلد مطلا۔	ملے/
ایضاً " " " " " کاغذ زرد جلد سادہ	للعہ/
تفسیر القرآن جلد چہارم۔ اس جلد میں سورۂ انفال۔ سورۂ توبہ اور سورہ یونس کی تفسیر ہے مطبوعہ ٹائپ کاغذ سفید جلد طلائی۔	سے/
ایضاً " " " " " کاغذ زرد سادہ	سے/
تفسیر القرآن جلد پنجم اِس جلد میں سورہ ہود۔ سورۂ یوسف سورۂ رعد سورہ ابراہیم۔ سورہ حجر۔ اور سورہ نحل کی تفسیر ہے مطبوعہ ٹائپ مجلد مطلا	سے/
تفسیر القرآن جلد ششم اِس جلد میں سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر ہے مطبوعہ ٹائپ کاغذ سفید جلد طلائی۔	سے/
ایضاً " " " " زرد " سادہ	سے ۸/
خطبات احمدیہ۔ مصنفہ سر سید احمد خان مرحوم۔ کاغذ عمدہ۔ جلد پختہ	سے ۴/
ایضاً " " " " جلد خام	سے/

فہرست مضامین تفسیر القرآن جلد ہفتم

تصانیفِ احمدیہ

حصہ اوّل

جلد نہم

مشتمل بر

کتب و رسائل مذہبی

تفسیر القرآن

جلد ہفتم

تفسیر سورۂ کہف سورۂ مریم سورۂ طٰہٰ

سنہ ۱۳۲۲ھ مطابق سنہ ۱۹۰۴ء

حسب فرمایش آنریری منیجر ڈیوٹی بک ڈپو مدرستہ العلوم علی گڈھ بہ تصحیح مولوی سید جلال الدین حیدر صاحب

در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علیخان صوفی طبع شد

طبع اول

ایک ہزار جلد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا

قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ

يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۲

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۳ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ

وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ

اِلَّا كَذِبًا ۴ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا

بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۵ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا

لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۶ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا

صَعِيْدًا جُرُزًا ۷ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ

كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۸ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ

(۷) لوگون نے اصحاب کہف کے قصہ کو ایک عجیب قصہ خدا کی نشانیون کا بنا رکھا تھا حالانکہ وہ کوئی عجیب قصہ نہیں تھا بلکہ ایسا قصہ تھا جو دنیا میں واقع ہوا کرتے ہیں۔ اسلئے خدا نے پیغمبر سے فرمایا کہ کیا تو نے بھی اسکو ایک عجیب قصہ سمجھا ہے" ام حسبت" کا لفظ بطور استفہام انکاری کے ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ قصہ کوئی عجیب قصہ نہیں ہے۔

ان آیتون میں خدا نے اُن باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو اصحٰب کہف کے قصہ کی نسبت لوگون

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

(۱) تمام تعریفیں اُس خدا کے لئے ہیں جسنے بھیجی اپنے بندہ پر کتاب اور نہ رکھی اُس میں کچھ نادرستی (۲) بلکہ کیا اُسکو بالکل درست تاکہ ڈراوے اُسکے (یعنی اللہ کے) پاس کی سخت عذاب سے اور خوشخبری دیوے ایمان والوں کو جو کام کرتے ہیں اچھے کہ اُنکے لئے ہی جزا اچھی جسمین رہیں گے ہمیشہ (۳) اور ڈراوے اون لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ بنالیا ہے خدا نے ایک بیٹا (۴) نہیں اُنکو اُسکی کچھ خبر اور نہ اُنکے باپ دادوں کو سخت ہی یہ بات کہ نکلتی ہے اُنکی موہنوں سے نہیں کہتے مگر جھوٹ (۵) پہر شاید کہ تو کہو دینے والا ہے اپنی جان کو اُنکے پیچھے غم سے اگر وہ نہ ایمان لاوی اس بات پر (۶) بیشک ہم نے بنایا ہے جو کچھ کہ زمین پر ہے سنگار اوسکے لیئے تاکہ ہم امتحان کریں اُنکا کہ کون اُنمیں زیادہ نیک کام کرتا ہے (۷) اور بیشک ہم کرنے والے ہیں ہر چیز کو جو اُس پر ہے تہس نہس (۸) اے محمد کیا گمان کیا ہی تو نے کہ اصحاب کہف اور رقیم تھے ہماری نشانیوں میں سے عجیب (۹) جب کہ وہ جوان پہاڑ کی کہوہ میں آکر ٹھیرے

میں مشہور تھیں۔ اور اُن میں کچھ سچ اور کچھ غلط باتیں مل گئیں تھیں اور اُسکے بعد صحیح قصہ بیان کیا ہے جو بارہویں آیت سے شروع ہوتا ہے۔

اِن آیتوں میں اُن باتوں کی طرف اشارہ ہے جو اصحاب کہف کے قصہ کی نسبت لوگوں میں مشہور تھیں وہ باتیں مختلف تھیں اسلیئے ضرور تھا کہ اِن آیتوں میں ایسے لفظ لائے جائیں جو اُن تمام باتوں پر حاوی ہوں

اذ اوی الفتیۃ الی الکہف) دخل غلمۃ فی غار الکہف (تفسیر ابن عباس)

فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑨

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ⑩ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ

مثلاً بعض لوگ کہتے تھے کہ جب وہ لوگ کہف (یعنی کھوہ میں) گئے سو رہے تھے اور بعض کہتے تھے کہ اُنپر غشی چھا گئی تھی۔ کوئی کہتا تھا کہ وہ مر گئے تھے اسلیئے خدا تعالیٰ کو ایسا لفظ لانا تھا جو ان تمام مشہور قولون پر حاوی ہو۔ اور اسیلئے فرمایا ''فضربنا علیٰ اذانہم'' یعنی اُنکے کانون کو ایسا کر دیا جس سے وہ سُن نہ سکین اور کانوں کی ایسی حالت سو جانے میں، غش آنے میں، مر جانے میں ہر حالت میں ہوتی ہے۔ پس اُن لوگون کے خیالات پر جامع ہونے کو اس سے بہتر کوئی لفظ نہ تھا اور یہ بہت بڑی بلاغت قرآن مجید کی ہے۔

یا مثلاً لوگون میں اختلاف تھا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ اُنکی یہ حالت تین سو برس تک رہی اور بعض کہتے تھے تین سو نو برس تک اور بعض تاریخون سے پایا جاتا ہے کہ دو سو یا دو سو چالیس برس تک ایسا لفظ جو ان تمام اختلافات پر حاوی ہو'' سنین عددا'' سے بہتر کوئی نہیں تھا اور یہی لفظ قرآن مجید میں لایا گیا جو نہایت بلیغ ہے۔

یا مثلاً جو لوگ اُنکو سوتا سمجھتے تھے یا غش آجانا سمجھتے تھے یا مرا ہوا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس حالت کے بعد وہ اُٹھے تو اِن تمام خیالات پر جامع ''بعثنا'' کے لفظ سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ سونے کے بعد اُٹھنے پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے اور غش کے بعد افاقہ ہونے پر بھی اور مر کر زندہ ہونے پر بھی۔

اِسپر ایک شبہہ ہو سکتا ہے کہ ضرب علی الآذان اور بعث کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے ''فضربنا علیٰ اذانہم'' ''ثم بعثنٰہم'' اِس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ جنہون نے اِس قصہ کو عجیب بنایا تھا اور وہی روایتین اُنمیں چلی آتی تہیں وہ بھی اُن کا سُلانا یا غش میں ڈالنا یا مردہ کر دینا اور پھر اُٹھانا خدا ہی کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اِس لئے اُنھی کے خیال کے موافق اِس مقام پر بھی خدا نے اِن سب باتون کو نقلاً اپنی طرف منسوب کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ لوگ اِن تمام باتون کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے۔

پس جو عجیب چیز اس قصہ میں بنائی گئی تھی وہ اصحاب کہف کا اسقدر مدت دراز تک سوتے رہنا یا غش

تو اُنھون نے کھا اے ہماری پروردگار ہمکو اپنے پاس سے رحمت دے اور تیار کر ہماری لئے ہماری کام میں کامیابی ⑨ پھر تھپکا ہمنے اُنکی کانون کو اُس پہاڑ کی کھوہ میں گنتی ہوئی برسون تک ⑩ پھر ہمنے اُنکو اُٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ

میں پڑا رہنا یا مردہ ہوکر زندہ ہونا تھا جبکہ خدا تعالی نے پہلی آیت میں اس قصہ کے عجیب ہونے کی نفی کی تو اُنکا اسقدر مدت تک سوتے رہنے یا غش میں پڑے رہنے یا مُردہ رہکر پھر زندہ ہونے کی نفی لازم آتی ہے۔

اِسکی تائید خود قرآن مجید کی اگلی آیتون سے ہوتی ہے جہان سے خدا تعالی نے خود اُن کا واقعی اور سچا قصہ بیان کرنا شروع کیا ہے اور جس میں اُنکے اسقدر زمانۂ دراز تک سوتے رہنے یا غش میں پڑے رہنے یا مردہ رہنے کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ نتیجہ اِس بحث کا صرف اسقدر ہے کہ جو قصہ لوگوں میں مشہور تھا کہ اصحاب کہف اسقدر مدت دراز تک سوکر یا غش میں پڑے رہکر اُٹھے یا مُردہ رہکر پھر زندہ ہوئے صحیح نہیں تھا۔

اِس میں کچھ شبہہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم نے کافرون سے یہ قصہ جسطرح کہ اُنمیں مشہور تھا سُنا اور اُسپر نہایت متعجب ہوئے تھے خدا تعالی نے اُس تعجب کے دور کرنیکو فرمایا" کہ اے محمد کیا تو نے سمجھا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم میری عجیب نشانیوں میں تھے" یعنی وہ کچھ عجیب نہ تھے۔

علماے مفسرین نے بھی یہ معنی اختیار کئے ہیں۔ مگر باوجود عجیب ہونے کے نفی کرنیکے اُسکا عجیب ہونا قایم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلئے عجیب نہیں ہے کہ خدا کی تمام نشانیان عجیب ہیں یا یہ کہ خدا کی مخلوقات مثلاً آسمان اور زمین وغیرہ اِس قصہ سے بھی اعجب یعنی عجیب تر ہیں۔

مگر اِن دونون دلیلون میں غلطی ہے بیشک خدا کی تمام مخلوقات اور اُسکے تمام کام فی نفسہ عجیب ہیں مگر جو روزمرّہ دیکھنے و برتنے میں آتے ہیں اُنکا عجیب ہونا نہیں سمجھا جاتا بلکہ اُسی کا عجیب ہونا سمجھا جاتا ہے جو معمولی باتون سے بڑھکر ہو پس یہ کہنا کہ قصۂ اصحاب کہف عجیب تو ہے مگر جو کہ تمام کام خدا کے عجیب ہی ہیں اسلئے اِس قصہ کو بالتخصیص عجیب مت سمجھو بالکل غلط اور خلاف مقصود آیت کے ہے کیونکہ آیت میں اُسکے عجیب ہونیکی نفی سے یہ مراد ہے کہ وہ ایک معمولی واقعہ ہے جو انسانون پر گذرا ہے اُس میں تعجب کرنیکی کوئی بات نہیں۔

أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ﴿١١﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴿١٢﴾ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

دوسرا استدلال کہ اور کام خدا کے اُس سے بھی زیادہ تر عجیب ہیں اس لئے گو کہ وہ قصہ عجیب ہے مگر اُسکو عجیب نہ سمجھو اور بھی زیادہ مہمل اور بے معنی ہے آیت میں اُسکے عجیب ہونے کی نفی کیگئی ہے اُس میں لفظ "عجبا" ہے اگر "اعجبا" کا لفظ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ نفی زیادہ تر عجیب ہونے سے متعلق ہوتی اور قصہ کا فی نفسہ عجیب ہونا باقی رہتا مگر جبکہ عجیب ہونیکی ہی نفی ہے تو بجز اسکے کہ وہ ایک عام واقعہ ہو جو دنیا میں ہوتے ہیں اور کوئی صفت تعجب اُس میں باقی نہیں رہتی۔ بلاشبہ خدا تعالی کی تمام نشانیاں اور اُسکی تمام مخلوقات آسمان و زمین انسان و حیوان چیونٹیاں اور بھنگے سب عجیب ہیں لیکن باعتبار نفس خلقت کے فی نفسہ عجیب ہونا دوسری چیز ہے۔ جو اُمور کہ موافق عادت کے ہوتے ہیں گو وہ فی نفسہ عجیب ہوں مگر عادت کے موافق ہونے سے اُن پر کوئی متعجب نہیں ہوتا تعجب جب ہی ہوتا ہے جب کوئی چیز خلاف عادت وقوع میں آوے۔ پس یہ آیت جو تعجب کی نفی پر دلالت کرتی ہے وہ اُسی تعجب کی نفی کرتی ہے جو کسی امر کے خلاف عادت ظہور میں آنیسے ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اصحاب کہف میں کوئی بات تعجب کرنیکے لایق نہیں ہے اون پر کوئی واقعہ خلاف عادت جس سے تعجب ہو جیسا کہ لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے نہیں گذرا۔ وہ مثل اور انسانوں کے انسان تھے اور جیسے واقعات انسانوں پر گذرتے ہیں ویسے ہی اُنپر بھی گذرے تھے کوئی امر خلاف عادت جو تعجب انگیز ہو نہیں ہوا۔

﴿۱۲﴾ بارھویں آیت سے صحیح اور واقعی قصہ اصحاب کہف کا شروع ہوتا ہے۔ تفسیر کبیر میں یہ لکھا ہے کہ پہلی آیتوں میں اس قصہ کا ایک ٹکڑا بیان کیا ہے اور اُسکی بعد کی آیتوں میں پورا قصہ ہے مگر کوئی وجہ نہیں بیان کی ہے کہ کیوں ان دونوں مقاموں میں اسطرح پر تفریق کی ہے کہ پہلے تو اُسکی وحی ہونے کی بابت کچھ ذکر نہیں کیا اور پھر جہاں سے وہ قصہ شروع ہوا ہے وہاں فرمایا ہے

کہ کونسا گروہ دو گروہوں میں سے (جو اُنکے رہنے کی مدت میں مختلف ہیں) یاد رکھنے والا ہے
اُنکے رہنے کی مدت کو (۱۱) ہم بیان کرتے ہیں تجھپر اُنکا قصہ بالکل ٹھیک بیشک وہ چند جوان
تھے کہ ایمان لائے تھے اپنے پروردگار پر اور زیادہ کی تھی ہمنے اُنکو ہدایت (یعنی استقلال مذہب
حق پر) (۱۲) اور باندہ دیا ہمنے اُنکے دلوں پر (یعنی اُنکے دلوں کو مضبوط کر دیا۔)

،، نحن نقص علیک نبأهم بالحق،، یعنی ہم اُنکا سچا قصہ تجھپر بیان کرتے ہیں۔ اور کوئی وجہ بیان نہیں
کی گئی کہ اِس اخیر جملہ میں "بالحق" کے لفظ سے کیون تاکید کی گئی پس صاف ظاہر ہے کہ پہلی آیتوں میں
وہ بیان ہے جو لوگوں نے اِس قصہ میں عجائبات ملا دئے تھے اور اُسکی نفی کی "ام حسبت" سے
اور پھر کہا کہ صحیح اور سچا قصہ ہم بیان کرتے ہین۔ جو صاف دلیل اس بات کی ہے کہ سچا اور صحیح قصہ
اس آیت سے شروع ہوا ہے نہ پہلی آیتوں سے۔

قبل اِسکے کہ ہم اصحاب کہف کی قصہ کی آیتوں کی تفسیر شروع کریں ہمکو ضرور ہے کہ اصحاب
کہف کے کچھ حالات بیان کرین اور اُنکے مذہب کا بھی کچھ ذکر کریں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے "انہم
فتیة امنوا بربهم وزدناهم هدی" یعنی وہ چند جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہمنے
اُنکو زیادہ ہدایت کی تھی زیادہ ہدایت کرنے سے یہ اشارہ ہے کہ جب وہ بادشاہ ظالم کے سامنے پکڑے
گئے تو وہ اپنے سچے مذہب پر قایم رہے جیسا کہ اُنکے قصہ میں بیان ہوا پس اس استقامت کو زیادتی
ہدایت سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان خدا پرست تھے اور اِسلئے اُنکے
مذہب کی تحقیق کرنی بہت ضروری ہے۔

اصحاب الکہف والرقیم

سب سے اول اِس امر کا تصفیہ کرنا چاہیئے کہ اصحاب کہف و رقیم کا ایک ہی گروہ پر اطلاق ہوا ہے
یا دو مختلف گروہوں پر یعنی جن لوگوں پر اصحاب کہف کا اطلاق ہوا ہے انہیں پر رقیم یعنی اصحاب
رقیم کا اطلاق ہوا ہے یا اصحاب کہف ایک جُدا گروہ تھا اور اصحاب رقیم جدا گروہ۔

جو کچھ بحث ہو سکتی ہے وہ رقیم کے لفظ پر ہو سکتی ہے بعض لوگوں کا خیال ہے جیسا کہ تفسیر
بیضاوی اور اَور کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ اصحاب الرقیم ایک جدا گروہ تھے اور وہ تین شخص تھے کہیں

اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا

جاتے تھے رستہ میں مینھ آیا ایک پہاڑ کے غار میں ہو بیٹھے اوپر سے پہاڑ گرا اور غار کا منھہ بند ہو گیا ان لوگون نے خدا کے سامنے عاجزی کی اور اس مصیبت سے نکلنے کی دعا مانگی کچھ عرصہ کے بعد جو پتھر پہاڑ کا اوپر سے پھسل گرا تھا اور جس نے غار کا منھہ بند کر دیا تھا وہ اور نیچے کو پھسل گیا اور غار کا منھ کھل گیا۔

یہ قصہ امام محمد اسمٰعیل بخاری نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری میں بیان کیا ہے۔ مگر کچھ شبہہ نہیں ہو سکتا کہ اِس مقام پر لفظ رقیم سے اُن لوگون کے قصہ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔

اول تو اس لئے کہ اُس گروہ پر اصحاب الرقیم کا اطلاق نہیں ہوا۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ نے اس مقام پر دو گروہ کے قصے نہیں بیان کئے بلکہ صرف ایک گروہ کا قصہ بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ایک ہی گروہ کا لقب تھا۔

ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جہان خدا نے اصحاب کہف کی تعداد میں لوگون کا اختلاف بیان کیا ہے کہ کوئی تو کہتا ہے کہ وہ تین شخص تھے کوئی کہتا ہے کہ پانچ تھے کوئی کہتا ہے سات تھے پس بعض لوگون نے تین کی تعداد پر خیال کر کے رقیم کے لفظ سے اُس گروہ کا اشارہ سمجھا جنکی تعداد تین تھی اور وہ بھی پہاڑ کے غار میں اوپر سے پتھر گرنیکے سبب بند ہو گئے تھے۔ مگر جیسا کہ ہمنے بیان کیا نہ کوئی وجہ پائی جاتی ہے اور نہ اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ اِن لوگون پر اصحاب الرقیم کا اطلاق ہوا ہو البتہ قسطلانی شرح صحیح بخاری میں شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب نے اصحاب الغار کا اونپر اطلاق کیا ہے مگر اصحاب الرقیم کا کسی نے اطلاق نہیں کیا۔

پس اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی گروہ کا لقب ہے۔ اصحاب کہف تو اُنکو اسلئے کہتے ہیں کہ وہ ایک ظالم بت پرست پادشاہ کے ظلم سے ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپے تھے عربی زبان میں پہاڑ کی کھوہ کو کہف کہتے ہیں اسلئے اُنکا لقب اصحاب کہف ہو گیا ہے۔

بیضاوی اور نیز اور مورخون اور مفسرون نے رقیم کے معنون میں اختلاف کیا ہے بعض

جسوقت کہ وہ کھڑی ہوئی (ایک جابر بت پرست پادشاہ کے سامنے) پہر اُنھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار

لوگون کا خیال ہے کہ رقیم اُس شہر کا نام ہے جس مین اصحاب کہف رہتے تھے بعضون کا قول ہے کہ پہاڑ کی کھوہ کا نام ہے جس مین اصحاب کہف چھپے تھے۔ بعضون نے کہا کہ جس جنگل مین وہ پہاڑ تہا اُس جنگل کا نام ہے بعضے کہتے ہیں کہ اُنکے کُتّے کا نام ہے جو اُنکے ساتھ تھا اسلیئے اُنکو اصحاب الرقیم کہنے لگے اور اُسکی سند میں امیہ بن ابی الصلت شاعر جاہلی کا شعر لایا جاتا ہے جس میں اُس نے کہا ہے "ولیس بہا الا الرقیم مجاورا" مگر اُن میں سے کوئی بات اعتبار کے قابل نہیں ہے" عربی کتابون مین اُنکے کُتّے کا نام قطمیر لکہا ہے اور انگریزی کتابون میں کراٹیم یا کراٹیمر اور یہ نام ملتے جلتے ہیں صرف ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہونے میں جو فرق لہجہ اور تلفظ میں ہو جاتا ہے وہی کراٹیمر اور قطمیر میں ہوگیا ہے۔

رقیم کے معنی از روے لغت کے لکھے ہوئے کے ہیں محمد اسمٰعیل بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں رقیم کی تفسیر میں لکہا ہے الرقیم الکتاب مرقوم مکتوب من الرقم اور اُسمین سعید ابن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ اُنھون نے ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اصحاب کہف کا حال اور نام ایک زمانہ میں جست کے پترے پر کندہ کر کر اور بعض روایتون کے مطابق پتھر پر کھود کر رکہا گیا تہا اور اِس سبب سے اُنھی لوگون کا لقب اصحاب الرقیم بھی ہوگیا ہے۔ پانچوین صدی کے اخیر میں یا چھٹی صدی عیسوی کی شروع میں یعنی آنحضرت صلعم سے پیشتر ایشیا مائنر کے لیشپ نے اس قصّہ کو بطور عیسائی مذہب کے متبرک قصہ کے تحریر کیا تھا پس ہر صورت سے اصحاب کہف پر اصحاب الرقیم کا اطلاق صحیح اور درست ہوتا ہے اور رقیم عطف تفسیری ہے اصحاب کہف کی وہو الصحیح عندنا۔

اس بات میں نہایت اختلاف ہے اور آج تک تحقیق نہیں ہوا کہ یہ لوگ تعداد میں کے تہے غالب راے یہ ہے کہ وہ سات تھے اور آٹھوان اونکا کُتّا تہا جو اُنکے ساتھ تھا۔

اُنکے نامونمیں بھی بہت اختلاف ہے مگر وہ اختلاف زیادہ تر ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہونے اور الفاظ کے تلفظ کے اختلاف سے علاقہ رکہتا ہے اور کاتبون نے زیادہ تر تحریف کر دیا ہے بہرحال ہم اس مقام پر اُنکے نامون کو جسطرح کہ مختلف کتابوں میں لکھے ہیں لکھتے ہیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تفسیر معالم التنزیل اور اس میں انکی تعداد ۹ لکھی ہے

مَکْسَلْمِینَا مَحْشَلْمِینَا یَمْلِیخَا مَرْطُوْنُس کَشْطُوْنُس دِیْرُوْنُس بَطِیُوْس۔ دِیْمُوْس قَالُوْس کَلْبُھُمْ قِطْمِیْر۔

تفسیر بیضاوی وکشاف وتفسیر کبیر وتفسیر مدارک

یَمْلِیخَا مَکْشَلِینِیَا مَشْلِیْنِیَا مَرْنُوْش دِبْرْنُوْش شَاذْنُوْش وَالراعی کَلْبُھُمْ قِطْمِیْر۔

تاریخ کامل لابن اثیر

مَکْسَلْمِیْنَا تَمْلِیْخَا مَرْطُوْس نَیْرُوْنُس کَسْطُوْمُس دَیْنُمُوْس رَیْطُوْفَس فَالُوْس مَکْسَلْمِیْنَا کلبھم قطمیر۔

معجم البلدان یاقوت حموی

یَمْلِیْخَا مَکْسَمْلِیْنَا مَشْلِیْنِیَا مَرْطُوْنُس دَبْرْیُوْس سَرَابِیُوْن اِفْسْتَیْطِیُوْس کَلْبُھُمْ قِطْمِیْر۔

تاریخ طبری

مَکْسَمْلِیْنَا مَحْسَمْلِیْنَا یَمْنِیْخ یا یَمْلِیْخَا مَرْطُوْس کَسُوْطُوْنُس بَیْرُوْنُس دِیْنُمُوْس بَطُوْنُس قَالُوْس۔

تاریخ احمد بن ابی یعقوب المعروف با لیعقوبی

مَکْسَلْمِیْنَا مَرَاطُوْس شَاذُنِیُوْش بَطْرُنُوْش ذُوْسَس یُوَانُس کَیْنُفْرطُوْنِیُوطُوْ مَلِیْخَا الراعی کَلْبُھُمْ قِطْمِیْر۔

کیورس متہمس مؤلفہ بارنگ گولڈ

مَیکْسِی مِیْن مَالْکَس مَارْشِیْن ڈَائِیُوْنِی سَس جَان سِیْرَا پِیْن کَانسْٹِیْن ٹَائِن کلبھم کراٹیم یا کراٹیمر +

پروردگار ہے آسمانون کا اور زمین کا

شہر جسمین اصحاب کہف رہتے تھے

اکثر مورخین و مفسرین کا قول ہے جو ہر طرح پر صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جس شہر میں اصحاب کہف رہتے تھے اُسکا نام اُفسُوس تھا یاقوت حموی نے اپنی کتاب معجم البلدان میں اُسکے اعراب کو بھی ضبط کیا ہے۔

مسٹر بارنگ گولڈ نے اپنی کتاب کیورس متھیس میں اُس شہر کا نام ایفی سس لکھا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ عربی تاریخون میں یہی نام متغیر ہو کر اُفسُوس ہو گیا ہے۔

لانگ مین گرین کمپنی نے سنہ ۱۸۷۰ع میں بمقام لندن قدیم رومیون کے زمانہ کا نقشہ جغرافیہ چھاپا ہے جس میں شہرون کے وہی قدیم نام ہیں جو اُس زمانہ میں تھے اُسمیں جو نقشہ ایشا مینیر کا ہے اُسمیں ایفی سس شہر کا نام ۴۰ درجہ ۵ دقیقہ عرض شمالی اور ۲۷ درجہ ۱۲ دقیقہ طول شرقی پر عین دریاے ایجین کے کنارہ پر ثبت ہے اُسکے قریب پہاڑ بھی واقع ہیں اور کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اُسی جگہہ ایفی سس شہر تھا جس میں اصحاب کہف رہتے تھے۔

بعضون نے کہا ہے کہ اصحاب کہف کے شہر کا نام رقیم تھا اور بعضون نے کہا کہ اُس پہاڑ کی کھوہ کا نام تھا جس میں اصحاب کہف جا کر رہے تھے مگر یہ صحیح نہیں یاقوت حموی نے بھی لکھا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ اہل روم کی سلطنت میں جو شہر اُفسوس تھا وہی شہر اصحاب کہف کا تھا محمد بن محمود القزوینی نے اپنی کتاب آثار البلاد و اخبار العباد میں اُفسوس ہی کو اصحاب کہف کا شہر قرار دیا ہے۔ شاید لوگون نے اِس خیال سے کہ اصحاب کہف کے نام جست کی تختی پر کھود کر شہر میں رکھے گئے تھے اُس شہر کو اور بعضون نے اِس خیال سے کہ اُس پہاڑ پر جسمیں وہ کھوہ تھی اُنکے نام کندہ ہوئے تھے اُس پہاڑ کو یا اُس کھوہ کو رقیم کے نام سے موسوم کر دیا ہو۔

اصحاب کہف کس زمانہ اور کس بادشاہ کے عہد میں تھے

ابو الفرج مالطیا سے عیسائی مورخ نے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ آخر کو مسلمان ہو گیا تھا اپنی کتاب مختصر الدول میں لکھا ہے کہ اصحاب کہف ذوقیوس قیصر کے عہد میں تھے جو عیسائیون کا نہایت دشمن تھا اور اُنکو قتل کرتا تھا۔ تاریخ طبری میں اُس بادشاہ کا نام دقینوس لکھا ہے۔

لَن نَّدعُوا مِن دُونِہٖ اِلٰھاً

تاریخ کامل ابن اثیر میں اُسکا نام دقیوس لکھا ہے اور یہی لکھا ہے کہ بعض آدمی اُسکا نام دقیانوس کہتے ہیں۔

ابوالفدا اسمٰعیل نے اپنی تاریخ میں بھی یہی نام بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ وہ ۵۳۹ سنہ اسکندری میں بادشاہ ہوا تھا اور ۵۴۰ سنہ میں مرگیا ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب آثار الباقیہ عن قرون الخالیہ میں اُس بادشاہ کا نام داقیاوس لکھا ہے اور مسٹر بارنگ گولڈ نے اپنی کتاب کیورس میتھس میں اُس بادشاہ کا نام دی سیس لکھا ہے۔

اسی مصنف نے لکھا ہے کہ روم میں وکٹورم کے عجائب خانہ میں گچ سے اصحاب کہف کی تصویرین بنی ہوئی ہیں اُن تصویرون سے بعضون نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ ۲۵۰ سنہ ع میں دی سس بادشاہ کے عہد میں مارے گئے تھے۔

عموماً مسلمان مورخ اور مفسرین اُس بادشاہ کا نام جسکے عہد میں اصحاب کہف تھے دقیانوس لکھتے ہیں اور ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ تمام اختلافات ایک زبان کے نامون کو دوسری زبان میں تلفظ کرنے سے پیدا ہوئے ہیں اور سب کے ملانے سے یقین ہوتا ہے کہ وہ رومی بادشاہون میں سے ایک بادشاہ تھا۔

جو زمانہ کہ اصحاب کہف کا ابوالفدا نے بیان کیا ہے وہ قریباً صحیح و درست معلوم ہوتا ہے اسکندر تین سو چھتیس برس قبل حضرت مسیح کے تخت پر بیٹھا تھا اور اصحاب کہف پانسو چالیس سنہ سکندری میں تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۲۰۴ سنہ ع میں تھے مسٹر بارنگ گولڈ نے اُنکا تخمینہ انداز سے ۲۵۰ سنہ ع قرار دیا ہے معہذا جو بادشاہ کہ زمانہ سکندر سے دقیوس تک گذرے اُنکے زمانہ سلطنت میں بھی کسی قدر اختلاف ہے اور یہی ایک سبب ہے کہ اصحاب کہف کے زمانہ میں کسی قدر اختلاف پیدا ہوتا ہے مگر عام طور پر خیال کرنے سے جو زمانہ قرار دیا گیا ہے قریباً صحیح معلوم ہوتا ہے۔

بعض روایتون میں بیان ہوا ہے کہ اصحاب کہف حضرت عیسیٰ کے زمانہ سے بہت پیشتر تھے اور حضرت عیسیٰ نے اُنکی خبر دی تھی اور بعد حضرت عیسیٰ کے زمانہ فترت میں یعنی جبکہ

ہم نہیں پکارینگے اُسکے سوا کسی کو معبود

کوئی پیغمبر نہ تہا وہ زندہ ہوئے تھے یا اپنی نیند سے جو اخ الموت ہے اُٹھے تھے مگر اُسکی صحت کا انجیلوں یا حواریوں کے ناموں یا کسی معتبر یا مظنون طریقے سے کوئی ثبوت نہیں پایا جاتا۔

اصحاب کہف کا مذہب

کچھ شبہہ نہیں ہو سکتا کہ اصحاب کہف عیسائی اور حضرت عیسیٰ کی اُمت میں تھے تمام کتابوں اور مختلف روایتوں سے یہی امر ثابت ہوتا ہے اور خود اُنکا واقعہ کہ ایک ظالم اور بت پرست بادشاہ کے خوف سے جو عیسائیوں کو قتل کرتا تھا جان اور ایمان بچا کر بھاگ گئے تھے اُنکے عیسائی ہونیکا کافی ثبوت ہے۔

البتہ جیسا اُنکا تقدس اور خدا پرستی تاریخوں اور تفسیروں میں لکھی ہے اور جسکی نسبت قرآن مجید سے بھی اشارہ پایا جاتا ہے اُسکی نسبت شبہہ ہو سکتا ہے کہ اگر وہ صلیب کو اور حضرت عیسیٰ کی تصویر کو پوجتے تھے اور کم سے کم یہ کہ تثلیث کے قائل تھے تو کیونکر اُنکو خدا پرست اور موحد مسلمان یا مومن خیال کیا جا سکتا ہے مگر انمیں سے کسی بات کا ثبوت نہیں ہے اُس زمانہ کے عیسائیوں میں عقائد مذہبی بہت کم قرار پائے تھے اور مجھکو عیسائی مذہب کی اکلیزیاسٹیکل ہسٹری پر غور کرنے سے نہایت شبہہ ہے کہ جو عقائد بعد عیسائی ہو جانے قسطنطین کے رومی اور یونانی چرچ میں قایم ہو گئے وہی عقائد عام طور پر اُس زمانہ کے تمام عیسائیوں کے تھے۔

دقیوس ہی کے زمانہ کے قریب جس زمانہ میں اصحاب کہف کا ہونا تسلیم کیا گیا ہے ایک فرقہ تہا جسکا ابو الفرج عیسائی مالطیائی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ وہ اقانیم ثلاثہ باپ اور بیٹے اور روح القدس کو نہیں تسلیم کرتا تہا بلکہ وجود اور کلمہ اور حیات کو اقانیم ثلاثہ جانتا تھا اور کہتا تہا کہ ان اقانیم سے کوئی زیادتی ذات باری پر نہیں ہوتی بلکہ یہ صفات اعتباری ہیں کوئی شے اُنکا مسمی موجود فی الخارج نہیں ہی اور کہتا تہا کہ ذات باری موجود ہی لا بوجود اور حکیم ہے لا بالحکمۃ اور حی ہی لا بالحیوٰۃ اور سبیلیوس دقلس کا بہی یہی مذہب تہا اسکے بعد مصنف مذکور لکہتا ہے کہ اِسی مذہب کو ایک گروہ مسلمانوں نے جو صفات کے نفی کرنیوالے ہیں (یعنی صفات باری سے کچھ زیادتی ذات باری پر نہیں سمجھتے) اختیار کیا ہے۔

لقد قلنآ اذا شططا (۱۴)

اسی زمانہ کے قریب ایک فرقہ فولی الشمیشاطی کا پیرو تھا جو کہتا تھا کہ تمام معلولات باری تعالیٰ کے ارادے ہیں اور اسکا کوئی معلول ذاتی نہیں ہے اور اسی لئے وہ لم یلد ولم یولد ہے اور اس لئے مسیح نہ کلمۃ اللہ ہے اور نہ جسطرح کہ ظاہر مذہب عیسائی میں ہے وہ کواری سے پیدا ہوا ہے۔

پس جبکہ اُس زمانہ کے عقائد و مذہب کا یہ حال تھا تو ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اصحاب کہف تثلیث کے قائل تھے بلکہ مسلمانوں کو جو قرآن مجید کو برحق سمجھتے ہیں اس بات کے یقین کرنیکے لئے کہ اصحاب کہف عیسائی اور موحد خدا کو واحد اور حضرت عیسیٰ کو پیغمبر برحق مانتے تھے ثبوت کافی ہے۔ فھم کانوا مومنین مسلمین موحدین قائلین بان لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ۔

اسقدر بیان کرنے کے بعد ہمکو ضرور ہے کہ قرآن مجید کی اُن آیتوں کی جو اصحاب کہف کے قصہ سے متعلق ہیں تفسیر لکھیں مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم اصحاب کہف کا قصہ صحیح بلا تعرض آیات کے لکھدیں اور پھر آیات کی تفسیر بیان کریں۔ اس طریقہ کے اختیار کرنے سے اُمید ہے کہ آیات کی تفسیر بخوبی لوگوں کی سمجھ میں آئیگی۔

اصحاب کہف کا قصہ یعنی وہ واقعات جو اُن پر گزرے۔

مذکورہ بالا حالات سے ظاہر ہے کہ اصحاب کہف تاریخی اشخاص ہیں فرضی قرار دئے ہوئے نہیں ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ جو سیدھے سادے واقعی حالات اُنپر گذرے تھے اُنمیں بہت لغو اور بیہودہ اور خلاف قیاس باتیں اور عجائبات شامل کر لئے گئے ہیں اور یہ ایک معمولی بات ہے کہ نیک اور بزرگ لوگوں پر جو ظلم اور سختی ظالموں کے ہاتھ سے گزر جاتی ہے بعد کو اُنکی نسبت بہت سی زائد اور عجیب باتیں بڑھا دیجاتی ہیں اسی طرح اصحاب کہف پر جو حالات اور واقعات گذرے اُنکو بطور تعجب انگیز کہانی کے بنالیا ہے اور بے سروپا اور محض بیہودہ روایتیں مشہور ہو گئی ہیں ہمارا کام یہ ہے کہ اُن روایتوں میں سے جو قابل طمانیت ہیں اُنپر لحاظ کر کے صحیح قصہ اصحاب کہف کا اول بیان کریں اور پھر قرآن مجید کی آیتوں سے تطبیق دیکر دکھلاویں کہ کس قدر قصہ اُس میں کا قرآن مجید میں بیان ہوا ہے اور مفسرین کو جو اُس قصہ کے بیان میں اور آیتوں کی تفسیر میں دھوکا ہوا ہے حتی المقدور اُسکو ظاہر کریں۔

اگر ہم ایسا کہیں تو بیشک اُسوقت جھوٹ کہیں گے (۱۴)

ابوالفرج مسیحی نے اپنی تاریخ مختصر دول میں اور اسمٰعیل ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ غوزدیانوس رومی قیصر عیسائی ہو گیا تھا اور عیسائیوں پر مہربانی کرتا تھا اُسپر دقیوس نے جسکو دقیانوس بھی کہتے ہیں اور جو بت پرست اور عیسائیون کا دشمن تھا چڑھائی کی اور ۵۳۹ سکندری میں اُسکو مارڈالا اور خود بادشاہ ہوا اور عیسائیون کو قتل کرنا یا بت پرستی پر مجبور کرنا شروع کیا۔

اُسی کے عہد میں اصحاب کہف عیسوی مذہب پر تھے اُنکے عیسائی ہو جانیکی مختلف کہانیان مشہور ہیں جنکی نسبت ہمکو بحث کرنا محض فضول معلوم ہوتا ہے وہ کسی طرح عیسائی ہوئے ہون اس امر کا مسلم ہونا کہ وہ عیسائی تھے اُنکے اصلی واقعات کے بتانیکو کافی ہے۔

تمام روایتین اور تاریخین اس بات پر متفق ہیں کہ اُس ظالم بادشاہ نے اُن لوگون کو جو تعداد میں اُسوقت چھ تھے بلایا اور مذہب عیسوی چھوڑنے اور بت پرستی کرنیکو کہا مگر اُن سب نے انکار کیا اُسپر بادشاہ نے اُنکو مہلت دی اور اُس مہلت میں وہ شہر سے بھاگے اور ایک چرواہا معہ کُتّے کے اُنکے ساتھ ہو لیا اور وہ سب ایک پہاڑ کی کھوہ میں جو شہر افسوس سے کچھ فاصلہ پر تھے جا کر چھپ رہے۔

یہانتک روایتوں میں چندان اختلاف نہیں ہے لیکن اِسکے بعد کے واقعات میں اختلاف شروع ہوتا ہے یعنی پہاڑ کی کھوہ میں چھپنے کے بعد اُنہون نے اپنے ساتھیون میں سے ایک شخص کو شہر بھیجا کہ چپکے سے کھانا خرید لاوے اکثر مورخین اور اہل تفاسیر نے لکھا ہے کہ وہ لوگ پہاڑ کی کھوہ میں جا کر سو رہے اور زمانہ دراز تین سو یا تین سو نو برس سونے کے بعد جب اُٹھے تو اُنہون نے ایک شخص کو کھانا خریدنے کو شہر میں بھیجا بعض مورخین نے پہلی دفعہ اُسی دن جب وہ کھوہ میں گئے ایک شخص کو کھانا خریدنیکو بھیجنا اور پھر دوسری دفعہ کئی سو برس سو کر اُٹھنے کے بعد ایک شخص کا بھیجنا لکھا ہے جو محض غلط ہے اور صرف بنایا ہوا قصہ ہے اُنپر پہاڑ کی کھوہ میں سوتے ہونیکے خیال سے یہ قصہ گڑھ لیا گیا ہے مگر اصلیت اِسکی جیسے کہ محققانہ نظر سے پائی جاتی ہے صرف اسقدر ہے۔

کہ وہ لوگ رات کے وقت شہر سے بھاگے تھے جیسے کہ قزوینی نے لکھا ہے کہ "اُنہون نے رات کو بھاگنے کا قصد کیا جب رات کا اندھیرا ہو گیا تو ہر ایک شخص اپنے گھر سے کچھ مال لیکر چل کھڑا ہوا"

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً

صبح ہوتے وقت وہ لوگ پہاڑ کی کھوہ پر پہونچے جیساکہ قزوینی نے بھی لکھا ہے پس وہ کھوہ میں گئے رات کے جاگے رستہ چلے تھکے ہوئے تھے کھوہ میں جہاں بالکل اندھیرا تھا سو رہے کچھ شبہہ نہیں ہوسکتا کہ دو تین پہر سو چکے بعد وہ اُٹھے اور آپس میں پوچھنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے کسی نے کہا دن کسی نے کہا کچھ کم کیونکہ کھوہ کی اندھیری میں وہ دن کا اندازہ ٹھیک ٹھیک نہیں کرسکتے تھے۔

جب وہ اُٹھے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو کھانا لانے کو بھیجا قزوینی نے صاف لکھا ہے کہ جس دن وہ کھوہ میں گئے اُسی دن اُنھوں نے کھانا لینے کو بھیجا تھا تفسیر معالم التنزیل مین بھی محمد بن اسحاق کی روایت سے لکھا ہے کہ جب وہ کھوہ میں گئے تو تملیخا انکے لئے شہر سے کھانا خرید لایا کرتا تھا اور چند روز تک جسکی تعداد نہیں بیان کی مگر معلوم ہوتا ہے کہ دو تین روز تک یعنی دقیانوس کے دوبارہ شہر میں آنے تک اسی طرح خرید کرلاتا رہا۔

جب وہ بادشاہ جو انکو مہلت دیکر شہر سے باہر چلا گیا تھا پھر شہر میں آیا جیساکہ قزوینی نے بالتصریح بیان کیا ہے تو اُسکو معلوم ہوا کہ وہ لوگ شہر سے بھاگ گئے ہیں اُسنے انکی تلاش شروع کی اور پہاڑ کھوہ میں انکا پتا لگا اور اُس نے پہاڑ کی کھوہ کا مُنہہ بند کروادیا تاکہ اُسی میں بھوکے پیاسے مر رہیں تفسیر معالم التنزیل میں محمد بن اسحاق کی روایت میں بھی بالتصریح یہ امر مذکور ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ پہاڑ کی کھوہ کا موتہہ بند ہو نیکے بعد وہ وہیں بند ہوگئے اور وہیں مرکر رہ گئے اگرچہ بعض موخون اور مفسرون نے لکھا ہے کہ کھوہ میں پڑے سوتے ہیں یعنی مرے نہیں ہیں اور معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ خدا نے انکی روحون کو وفات دی جسطرح سونے میں روحوں کو وفات دیتا ہے مگر اگلے بیان سے اور ان روایتون سے جو بیان ہونگی صاف ثابت ہوگا کہ درحقیقت وہ مرگئے تھے۔

اکثر موخین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس واقعہ پر ایک زمانہ گذرنیکے بعد اُس کھوہ کا مُنہہ کھولا گیا اور اصحاب کہف کا اُس کھوہ میں ہونا معلوم ہوا اور شہر میں اُسکا چرچا ہوگیا اور بادشاہ اور شہر کے تمام لوگ اُس کھوہ میں اُنکے دیکھنے کو گئے۔

ہماری اِس قوم نے اختیار کی ہیں اُسکے یعنی خدا کے سوا اور معبود

ابو الفرج مسیحی کی تاریخ کے بموجب یہ زمانہ ساوذوسیوس قیصر الصغیر کی سلطنت کا تھا اور اصحاب کہف
کے کھوہ میں جا چھپنے کے دو سو چالیس برس بعد وہ ظاہر ہوئے تھے۔

ابو الفدا اسمٰعیل بھی اسی بادشاہ کے زمانہ میں اصحاب کہف کا متنبہ ہونا لکھتا ہے۔ یہ بادشاہ ۷۲۵ سنہ
سکندری میں بادشاہ ہوا تھا اور ۷۵۵ سنہ سکندری میں فوت ہوا۔ اِس سبب سے کہ بموجب ابو الفدا کے
دقیوس جسکے زمانہ میں اصحاب کہف تھے ۵۴۰ سنہ سکندری میں تھے زمانہ ظاہر ہونے اصحاب کہف کا
دو سو برس کے قریب ہوتا ہے نہ دو سو پچاس برس جیسا کہ ابو الفرج نے بیان کیا ہے۔

تاریخ یعقوبی میں اُس بادشاہ کا نام دسیوس لکھا ہے اور صاف لکھا ہے کہ اُسکے زمانہ میں اصحاب
کہف جو مر گئے تھے زمانہ طویل کے بعد ظاہر ہوئے۔ اُس میں مطلق اس بات کا اشارہ نہیں ہے
کہ وہ سوتے تھے اور اُسکے زمانہ میں جاگے یا مرے ہوئے تھے اور زندہ ہوئے بلکہ صاف لکھا ہے
کہ ظاہر ہوئے یعنی اُس کھوہ میں اُنکا ہونا معلوم ہوا۔

علاوہ اِسکے جتنی روایتیں ہیں سب سے یہی امر ماخوذ ہوتا ہے کہ درحقیقت اصحاب کہف
جب معلوم ہوئے تو وہ مرے ہوئے تھے اور مرے ہوئے رہے۔

بعض تفسیر کی کتابوں میں جیسے تفسیر کبیر و مدارک و بیضاوی میں یہہ لکھا ہے کہ جب بادشاہ اور لوگ
اُنکو دیکھنے اور اُن سے ملنے کو گئے تو وہ زندہ ملے بادشاہ کو دعا بھی دی اور پھر فی الفور مر گئے۔

اِس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکا زندہ ملنا اور بادشاہ کو دعا دینا سب ایک کہانی ہے
ورنہ درحقیقت وہ مرے ہوئے تھے اور طبری اور کامل ابن اثیر اگرچہ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ
زندہ ہوئے مگر جو روایتیں بیان کی ہیں اُن سے صاف پایا جاتا ہے کہ کسی شخص نے جو اُنکے دیکھنے
کو گئے تھے اُنکو زندہ نہیں دیکھا۔

طبری کی ایک روایت میں ہے کہ وہ زندہ ہو گئے تھے مگر جب لوگ اُنکے دیکھنے کو کہف
کے قریب پہونچے تو خدا نے اُنکو پھر مردہ کر دیا یا پھر سُلا دیا اور لوگ اندر جانے سے ڈر گئے اور اندر نہ جا سکے
دوسری روایت میں طبری نے لکھا ہو کہ بادشاہ اور لوگ کھوہ میں گئے تو دیکھا کہ صرف اُنکے جسم ہیں

لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِم بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ

جو کسی طرح بگڑے نہ تھے مگر اُنمیں ارواح نہ تھی۔

کامل ابن اثیر مین ایک اور بات زیادہ لکھی ہے کہ وہ زندہ تو ہو گئے تھے مگر انہون نے دعا مانگی کہ خدا انکو مار ڈالے اور جو لوگ انکو دیکھنے آئے ہیں اُنمیں سے کوئی اُنکو نہ دیکھے پس وہ فی الفور مر گئے۔ اور یہ تمام روایتیں اس بات کی مثبت ہیں کہ وہ زندہ نہ تھے اور نہ کسی نے اُنکو زندہ دیکھا اصل یہ ہے کہ جب لاشین ایسے مقام پر ہوتی ہیں جہان ہوا کا صدمہ نہیں پہونچتا اور لاشین اُسی طرح رکھے رکھے راکھ ہو جاتی ہیں تو وہ سوراخ میں سے ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا پورے مجسم اجسام بلا کسی نقص کے رکھے ہوئے ہیں۔ اِسی طرح لوگون نے اُنکو دیکھا اور جانا کہ پوری مجسم بلا کسی نقصان کے لاشین رکھی ہیں یا وہ لوگ سو رہے ہیں۔

سنہ ۱۸۴۷ء یا سنہ ۱۸۴۸ء میں دہلی میں اِسی قسم کا ایک واقعہ گذرا تھا جہان حضرت نظام الدین کی درگاہ ہے وہان بہت پرانا قبرستان ہے۔ ایک اونچی جگہہ پر ایک چبوترہ تہا اور اُسکے اوپر تین قبرون کے نشان تھے۔ اتفاق سے اُس چبوترہ کی ایک طرف کی دیوار میں سے کچھ پتھر گر پڑے اور چہید ہو گیا کہ اندر سے قبر دکھائی دینے لگی لوگون نے اُس چہید میں سے جہانکا تو اُنکو معلوم ہوا کہ قبر بہت بڑی مثل ایک مربع کوٹھری کے ہے اور تین لاشین بالکل سفید کفن پہنے ہوئے مجسم بلا کسی نقصان کے اُنمیں رکھی ہوئی ہیں۔ اسکا چرچا ہوا اور بہت آدمی اُنکے دیکھنے کو گئے اور سب نے یہی بات بیان کی۔ میرے مخدوم دوست مولوی امام بخش صاحب صہبائی مرحوم کو اِس قسم کی باتون کے دریافت کا بہت شوق تہا وہ خود اُن لاشون کے دیکھنے کو گئے۔ اول انہون نے جہانک کر دیکھا تو اُنکو بھی اسی طرح مجسم اور مسلم لاشیں معلوم ہوئیں۔ انکو تعجب ہوا۔ اُنہون نے دیوار کے دو ایک پتھر اور نکال ڈالے اور اندر گھسے۔ ایک عجیب بات تو یہ دیکھی کہ قبر ایک مربع کوٹھری کے برابر بنی ہوئی تھی اور تین لاشین اُس میں رکھی ہوئی تہیں۔ مگر سب بوسیدہ اور راکھ کے طور پر ہو گئی تہیں۔ لیکن چونکہ ہوا کا صدمہ کچھ نہ تھا تو جہان اُنکے ہاتھ رکھے ہوئے تھے وہیں اُنکے ہاتھ کی راکھ تھی اور جہان سر رکھا تہا وہیں سر کی راکھ تھی۔ جہان پاؤن رکھا ہوا تھا وہیں پاؤن کی راکھ تھی۔ اور سب کے نشان معلوم ہوتے تھے

کیون نہیں لاتے اُسپر کوئی دلیل کُھلی ہوئی

وہ لاشین کاٹھ کے تخت پر رکھی گئی تھین وہ تخت بھی بوسیدہ ہوکر اور گل کر زمین کے برابر ہوگیا تھا مگر اُسکے نشان بھی راکھ میں جدا محسوس ہوتے تھے۔ اُنھوں نے اُنگلی سے چھوا تو معلوم ہوا کہ بالکل راکھ ہے اور ہڈیون اور راکھ کے سوا اور کچھہ نہیں ہے۔ مگر جب سوراخ میں سے دیکھا جاتا تھا تو وہ تمام نقش جو راکھ میں قایم تھے بالکل مجسم اور مسلم لاشین معلوم ہوتی تہیں۔ تم خیال کرو کہ اگر ہم ایک تصویر کو ایک صندوق میں رکھہ دین اور ایسی حکمت کریں کہ کسی قدر شعاع آفتاب کی اُسمیں پہونچی اور اُسکے پہلو میں ایک چہید کر کے اُسکو دیکھیں تو وہ تصویر بالکل مجسم معلوم ہوگی۔ پس اس طرح سے اُس قسم کی پرانی لاشین جو کسی پہاڑ کے نل میں سے دیکھی جاتی ہیں تو وہ مسلم معلوم ہوتی ہیں اسیطرح اصحاب کہف کی لاشون کے دیکھنے والون کو وہ لاشین مجسم معلوم ہوئی ہونگی۔ کیوریتہس کے مصنف نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کی ہڈیان ایک بڑے پتھر کے بکس میں بند کر کے مارسلیس کو بھیجی گئیں جو اب بھی سائنٹ وکیٹر کے گرجا میں دکھائی جاتی ہیں۔ اسکی تصدیق تاریخ طبری سے بھی ہوتی ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ قتادہ نے روایت کی ہے کہ جب ابن عباس حبیب بن مسلمہ کے ساتھ جہاد پر گئے تو وہ کہف پر گذرے اور اُس میں کچھہ ہڈیان تھیں۔ ایک شخص نے کہا کہ یہہ اصحاب کہف کی ہڈیان ہیں۔ ابن عباس نے کہا کہ انکی ہڈیان تو تین سو برس سے زیادہ ہوا کہ یہان نہیں رہیں۔

بہرحال جب اُس ظالم بادشاہ نے اُس کہوہ کا مُنہہ بند کرا دیا تو یہ بیچارے اُس میں بند ہوگئے اور مر گئے ایک زمانۂ دراز کے بعد خواہ وہ زمانہ دو سو برس کا ہو یا ڈھائی سو برس کا یا تین سو برس کا یا تین سو نو برس کا کسی شخص نے اُس کہوہ کے مُنہہ کو کھولا جیسا کہ اکثر روایتون میں بیان ہوا ہے۔ اِس میں بھی کچھہ شک نہیں ہوسکتا کہ اُن لوگون کے پاس جو کھوہ میں گئے تھے اُس زمانہ کے سکہ کے روپے موجود تھے اور جس شخص نے اُس کا موہنہ کھولا تھا اُس نے وہ روپے پائے ہونگے اور جب بازار میں لیگیا لوگون نے چرچا کیا ہوگا کہ اُسنے خزانہ پایا ہے حاکم تک اُسکو پکڑ کر لے گئے ہونگے اور اُسنے تمام قصہ پہاڑ کی کھوہ میں لاشون کے ہونیکا اور وہان سے روپیہ ملنے کا بیان کیا ہوگا اوسپر وہان کے حاکم

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۴﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۵﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا

اور شہر کے لوگ اُنکے دیکھنے کو آئے اور جانا کہ یہ اُن لوگون کی لاشین ہیں جو دقیوس قیصر کے ظلم سے بھاگے تھے راویون اور لوگون نے اِس اصلی واقعہ کو اسطرح پر بنالیا کہ اصحاب کہف کئی سو برس بعد سونے سے اُٹھے یا مردہ سے زندہ ہوگئے اور انہیں میں کا ایک شخص روپیہ لیکر بازار میں آیا اور چرچا ہوا اور سب لوگ پہاڑ کی کھوہ پر گئے - پھر کسی نے کہا وہ زندہ تھے ایک آدہ بات کہہ کر مر گئے کسی نے کہا کہ مسلم بغیر کسی نقصان کے لاشین تھین مگر اُس میں ارواح نہ تھی - ایسے واقعات میں اُس قسم کی افواہیں اوڑا کرتی ہیں اور رفتہ رفتہ روایتیں بنجاتی ہیں اور کتابوں میں لکھی جاتی ہیں اور مذہبی لگاؤ سے لوگ اُسکو مقدس سمجھتے ہیں اور معجزہ اور کرامات قرار دیتے ہیں -

قرآن مجید میں جسقدر اِس قصہ کا بیان آیا ہے وہ بالکل سیدھا اور صاف ہے بلکہ خدا نے اُس قصہ کو اسی مقصد سے بیان کیا ہے کہ جو غلط باتین اور عجائبات اُس قصہ کے ساتھ مشہور تھے اُنکی غلطی ظاہر ہو یا اُنکی تکذیب کیجاوے اور بتادیا جاوے کہ اصل واقعہ کیا ہے -

مگر افسوس ہے کہ مفسرین نے جنکے کان انہی پرانی افواہی روایتون سے بھرے ہوئے تھے اور عیسائی بھی اور اُنکے سوا عرب اور ایشیا کے لوگ بھی اُس قصہ کو عجائبات یا کرامت اور معجزات کے طور پر بیان کرتے تھے قرآن مجید کی آیتون کی بھی وہی تفسیر کی جس سے خود خدا انکار کرتا تھا - فمثلهم كمثل الذى فسّر

پھر کون ہے زیادہ ظالم اُس شخص سے کہ بہتان باندھ لے اللہ پر جھوٹا (۱۴) اور جب تم
اُنسے الگ ہوجاؤ اور اُس سے جسکی سوای خدا کی وہ عبادت کرتے ہیں تو چل رہو پہاڑ کی کھوہ میں
تاکہ پھیلاوے تمہارے لئے تمہارا پروردگار اپنی رحمت کو اور مہیا کرے تمہارے لئے تمہارے
کاموں میں آسانی کو (۱۵) اور تو دیکھے آفتاب کو جبکہ وہ طلوع کرے جھکتا ہے اُنکے کہف سے
داہنی طرف اور جب غروب کرے تو اُن سے کترا جاتا ہے بائیں طرف اور وہ کشادہ جگہہ میں ہیں
کہف کی یہ ہے اللہ کی نشانیوں میں سے جسکو ہدایت کرے اللہ پھر وہی ہے ہدایت پانیوالا اور جسکو
گمراہ کرے اللہ پھر ہرگز نہ پاویگا تو اُسکے لئے دوست

القول بما لا یرضی قائلہ۔

تمام مفسرین کی سوائے معتزلہ کے یہ عادت ہے کہ اپنی تفسیروں میں محض بے سند اور واہی روایتوں کو بلا تحقیق لکھتے چلے جاتے ہیں اور ذرا بھی تحقیق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ علاوہ اِس کے اونہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جہانتک ہو سکے ہر ایک سیدھی سادی بات کو بھی ایک حیرت انگیز طریقہ پر اور عجائبات و کرامات کے نمونہ پر بیان کریں۔ اُسی عادت کے موافق اصحاب کہف کے قصہ میں بھی عجیب و غریب باتیں ملادی ہیں مگر قرآن مجید اُن سب کو غلط بتاتا ہے۔

اب ہمکو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی اُن آیتوں کی جو اصحاب کہف کے قصہ سے متعلق ہیں تفسیر لکھیں اور دکھلائیں کہ قرآن مجید میں اُنکا قصہ کسقدر اور کسطرح بیان ہوا ہے اور مفسرین اُن آیتوں کی تفسیر میں کیسے دھوکہ میں پڑ گئے ہیں واللہ المستعان۔

یہ آیتیں جنکی ہم تفسیر لکھنی چاہتے ہیں نہایت صاف ہیں اول تو خدائے تعالیٰ نے اصحاب کہف کے باایمان ہونیکا ذکر کیا ہے اور اِن لفظوں سے کہ ہم نے اُنکو زیادہ ہدایت کی تھی اور مضبوط کردیا تھا اُنکے دلوں کو اُسمیں اس واقعہ کا بیان ہے جبکہ ایک جابر اور بت پرست بادشاہ نے اُنکو بلایا اور وہ اُسکے سامنے کھڑے ہوئے اور اُس نے بت پرستی پر مجبور کیا اور وہ اپنے مذہب پر مستقل رہے اور اُنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ہم نہیں پکارتے اُسکے سوا کسی کو معبود۔ اسکے بعد

مُّرْشِدًا ﴿۱۶﴾ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ وَنُقَلِّبُهُمْ
ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ
لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۷﴾
وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ

اس بات کا ذکر ہے کہ وہ اُن مشرکین سے الگ ہو کر ایک پہاڑ کی کھو میں جا چھپے۔

(۱۶) اس آیت میں خدا نے تعالی نے اُس کھوہ یعنی کہف کا حال بتایا ہے جس میں اصحاب کہف جا کر چھپے تھے کہ جب آفتاب طلوع کرتا ہے تو کھوہ کی واہین طرف مائل ہوتا ہے اور جب غروب کرتا ہے تو اُسکو کاٹتا ہوا بائیں طرف جاتا ہے اور اُس کھوہ یعنی کہف کی چوڑی جگہہ میں اصحاب کہف جا کر رہے ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کہف یعنی پہاڑ کی کھوہ میں بالکل اندھیرا رہتا تھا اور اُس کہف کا مونہہ شمال کی جانب تھا۔ اور لوگون نے بہی اُسکے مونہہ کو جانب بنات النعش کہا ہے جو آسمان پر جانب شمال چند کواکب ہیں پس اگر کوئی شخص اپنا منہہ شمال کی جانب کرکے کھڑا ہو تو مشرق واہین ہاتھ کی طرف ہو گی اور مغرب بائین ہاتھ کی طرف اور سورج جو مشرق سے نکلے گا اُسکو کاٹتا ہوا بائین ہاتھ کی طرف غروب ہو جاویگا۔

پہاڑیں جو اِس قسم کی کھوہ ہوتی ہے وہ دور تک لمبی اور تنگ چلی جاتی ہے اور کسی مقام پر چوڑی ہو جاتی ہے اسی چوڑی جگہہ پر خدا نے فرمایا ہے کہ "وھم فی فجوۃ منہ یعنی اصحاب کہف اُس کھوہ کی چوڑی جگہہ میں تھے۔

اُسکے بعد خدا فرماتا ہی کہ یہ ہو اللہ کی نشانیوں میں سی جسکو خدا ہدایت کری وہی ہدایت پانیوالا ہی اور جسکو گمراہ کری پہر تو اُسکا کوئی دوست راہ بتانیوالا نہیں پاویگا۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ خدا تعالی نے اصحاب کہف کو یا اُس پہاڑ کی کھوہ کو یا اصحاب کہف کے وہان جا کر رہنی کو اللہ کی نشانیون میں سے قرار دیا ہے تو یہ محض غلطی ہو گی کیونکہ اُسکے آگے جو الفاظ ہیں کہ من یھد اللہ فھو المھتد ومن یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا۔ وہ صاف بتاتے ہیں کہ اصحاب کہف جو اپنے ایمان پر اور خدا

راہ بتانیوالا (۱۶) اور تو گمان کرے اُنکو جاگتا ہوا اور وہ سوتے ہیں اور ہم اُنکو بدلتے ہیں داہنی کروٹ اور بائیں کروٹ پر اور اُنکا کُتا اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے کھوہ کے دہانہ پر اگر تو جھانک کر اُنکو دیکھتا تو اُلٹا پھر کر اُنسے بھاگتا البتہ چھا جاتا تجھپر اُنسے رعب (۱۷)

اور اسی طرح ہمنے اُنکو اُٹھایا (یعنی جگایا)

پرستی پر مستحکم رہے اور خدا نے نہایت سختی اور جبر میں بھی جو بت پرست بادشاہ کی طرف سے بتوں کے پوجنے پر ہوتے تھے اُنکے دلونکو مضبوط رکھا اُسکی نسبت خدا نے فرمایا ذلک من ایات اللہ۔

(۱۷) اِس آیت میں خدا تعالیٰ اصحاب کہف کی حالت بیان کرتا ہے کہ تو اُنکو (یعنی اگر دیکھے تو) گمان کرے کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سوتے ہیں اور ہم اُنکو داہنی کروٹ اور بائیں کروٹ پر بدل دیتے ہیں اور اُنکا کُتا کھوہ کے دہانہ پر ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اِس سے پہلے اصحاب کہف کا پہاڑ کی کھوہ میں جانا بیان کیا ہے اُسکے بعد اُس کھوہ کی حالت بیان کی ہے اور اب اصحاب کہف کی حالت بیان فرمائی ہے پس یہ حالت اُسی وقت کی ہے جبکہ اصحاب کہف کھوہ میں گئے تھے نہ زمانہ موجودہ کی یا اُسکے کسی زمانہ ممتد کے بعد کی تحسبہم ایقاظا کی نسبت مفسروں نے بہت سی بے اصل باتیں لکھی ہیں الا قرآن مجید سے جو اُسکی وجہ پائی جاتی ہے وہ صرف خدا کا یہ فرمانا ہے کہ نقلبہم ذات الیمین وذات الشمال اور یہی بات سچ ہے وہ پتھریلی کھوہ میں جاکر سوئے تھے اور اُس کے سبب سے گھڑی گھڑی کروٹیں بدلتے ہونگے اور اُنکی اِس تکلیف کو خدا نے اسطرح پر ظاہر فرمایا ہے۔

اُس کے بعد خدا تعالیٰ اُس وحشت اور خوفناک حالت کو جس میں اصحاب کہف پہاڑ کی کھوہ میں جاکر چھپنے سے مبتلا ہوئے تھے بتاتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر تو اُنکو دیکھتا تو اُنسے اُلٹا بھاگتا اور تجھپر اُنسے رعب چھا جاتا مفسرین نے اِس آیت کی نسبت بھی بہت سی افواہی اور بے سند روایتیں لکھی ہیں اور اُنکی اِس حالت کو زمانہ ممتد مابعد کی حالت قرار دیا ہے حالانکہ جسطرح خدا تعالیٰ نے اصحاب کہف کی اُسوقت کی حالت کو جب وہ پہاڑ کی کھوہ میں گئے تھے بیان کیا ہے اِسی طرح اُسی وقت کی اُنکی

لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۖ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۱۹﴾ وَكَذٰلِكَ

وحشت انگیز حالت کو ظاہر فرمایا ہے۔

قرآن مجید کا سیاق کلام یہی ہے کہ جب کسی گذشتہ واقعہ پر متنبہ کرنا یا توجہ دلانا چاہتا ہے تو گذشتہ واقعہ کو موجود قرار دیکر خطاب کے لفظوں سے مخاطب کرتا ہے جیسے کہ "الم تر کیف فعل ربک باصحٰب الفیل"۔

پہاڑ کی کھوہ فی نفسہ ایک وحشت ناک جگہہ ہوتی ہے ۱۸۷۰ء میں جبکہ میں لندن میں تھا تو ایک دوست سے ملنے پرٹل میں گیا جو ایک خوبصورت شہر ہے اُسکے قریب سمندر کی کھاری کے کنارے پر ایک چھوٹا سا پہاڑ کا ٹیبہ ہے اسمیں ایک کھوہ ہے جس میں کسی اگلے زمانہ میں کوئی ہرمٹ یعنی عیسائی درویش رہتا تھا میں اُس کھوہ کو دیکھنے گیا غالباً وہ کچھ بہت بڑی نتھی کئی سوفٹ کی لنبی ہوگی مگر ایسی تنگ و تاریک تھی کہ کوئی چیز یہانتک کہ پاس کا آدمی بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جو شخص اُسکے دکھانیکو ہماری ساتھ تھا مہربانی سے روشنی لایا کہ ہم روشنی کے ذریعہ سے اسمیں جاویں۔ قریباً نصف راستہ ہمنے طی کیا ہوگا کہ اس زور سے اور عجیب نفرت انگیز آواز سے ہوا آنی شروع ہوئی جسنے ہمکو پریشان کر دیا اور جو روشنی ہماری ساتھ تھی وہ گل ہو گئی ہم آگے نہ گئے اور واپس چلے آئے معلوم ہوا کہ اُس کھوہ میں سمندر کی جانب کوئی سوراخ یا موکھا ہے اسمیں ہوا یہ شدید ہوا آتی تہی جو شخص ہماری ساتھ تہا اُسنے بیان کیا کہ تھوڑی دور آگے قریباً ڈوڈہائی گز چوڑی ایک جگہہ ہے اسمیں ہرمٹ رہتا تہا میں سمجھتا ہوں کہ اسی قسم کی جگہہ پر سورہ کہف میں خدا تعالیٰ نے "وھم فی فجوۃ منہ" کا اطلاق کیا ہے

تاکہ وہ آپس میں پوچھیں اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنی دیر تک رہے ہے (یعنی سوتے ہوئے) اُنہوں نے کہا کہ ہم رہے (یعنی سوتے ہوئے) ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم اُنہوں نے کہا کہ تمہارا خدا خوب جانتا ہے جتنی دیر تم رہے (یعنی سوتے ہوئے) پھر بھیجو اپنے میں سے ایک کو اپنے پاس سے چاندی کا یہ سکہ دیکر شہر کو تاکہ دیکھے کونسا اچھا کھانا ملتا ہے پھر تمکو لاوے کھانا اسمیں سے اور جلد چلا آوے اور نہ خبر کرے تمہاری کسیکو (۱۸) بیشک وہ اگر چڑھ آوینگے تم پر تو تپھر مار کر مار ڈالیں گے تمکو یا پھیر لیں گے تمکو اپنے مذہب میں اور پھر ہرگز نہ فلاح پاؤ گے تم اُسوقت کبھی (۱۹) اور اسیطرح

(۱۸) و (۱۹) یہانتک صرف اسقدر بات قرآن مجید سے پائی گئی کہ اصحاب کہف اُس بت پرست بادشاہ کے خوف سے بھاگے اور پریشانی کی حالت میں ایک وحشت انگیز جگہہ میں جو پہاڑ کی تنگ و تاریک کھوہ تھی جاکر چھپے اور وہاں سو رہے پھر خدا نے انکو جگایا یعنی وہ جاگے چنانچہ خداوند تعالی فرماتا ہے ”اور اسی طرح ہمنے انکو اُٹھایا تاکہ وہ آپس میں پوچھیں۔ اُنمیں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنا سوئے اُنہوں نے کہا ایک دن سوئے یا ایک دن سے کچھ کم وہ بولے کہ تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم کتنا سوئے“

پہاڑ کی کھوہ جس میں وہ جاکر چھپے تھے نہایت اندھیری تھی سورج کی روشنی اُس میں نہیں پہونچتی تھی یہ ایک معمولی بات تھی کہ جب وہ سوکر اُٹھے تو پوچھا کہ کسقدر سوئے اُس اندھیری کھوہ میں کسی نے کہا دن بھر یا کچھ کم سوئے جو کہ وہ لوگ بسبب اندھیری کے ٹھیک انداز نہیں کر سکتے تھے اُنہوں نے کہا خدا معلوم کتنا سوئے۔

یہ اُنکا سونا اور جاگنا پہاڑ کی کھوہ میں جانیکے بعد ایک معمولی زمانہ تک سوکر جاگنا تھا اور کوئی عجیب بات اسمیں نہ تھی اور نہ قرآن میں اس مقام پر یعنی اس قصہ میں جسکی نسبت خدا نے کہا نحن نقص علیک نباءھم بالحق“ کوئی اشارہ اس بات کا ہے کہ انکا سوتے رہنا زمانہ طویل غیر عادی اور غیر قیاسی اور غیر طبعی تک ہوا تھا بلکہ تمام سیاق سے پایا جاتا ہے کہ وہ کھوہ میں چھپے وہاں سو رہے اور معمولی قاعدہ پر اُٹھے آپس میں پوچھنے لگے

اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۰﴾ سَيَقُوْلُوْنَ

کہ کتنا سوئے۔

بعض مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ ہرگاہ اُنکے اوٹھنے کی علت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ آپس میں سوال کریں کہ کتنا سوئے تو زمانہ نوم میں ضرور کوئی ندرت ہوگی اور اُس ندرت کو نوم زمانہ طویل قرار دیا ہے۔ مگر یہ اُنکی محض غلطی ہے ایک امر کے بعد دوسرے امر کو جو اُسکے متصل واقع ہوا ہو۔ لام کے ساتھ بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا امر اُسکی علت ہو قرآن مجید کا سیاق کلام ایسا ہی ہے کہ ایک واقعہ کے بعد جو دوسرا واقعہ ہوتا ہے اُسکو لام کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جس سے محض تعقیب مراد ہے نہ علت چنانچہ قرآن مجید میں بہت جگہہ جہاں لام آیا ہے وہ ہرگز اپنے ماقبل کی علت نہیں ہے اسی سورہ میں خدا نے فرمایا ہے "ثم بعثناهم لنعلم ای الحزبین احصیٰ لما لبثوا" پس خدا کا علم اُنکے زمانہ نوم کی نسبت اُنکے اُٹھنے کا معلول نہ تھا۔ اسکے سوا اور بہت سے مقام قرآن مجید میں اس سے زیادہ صاف طور پر آئے ہیں جہاں خدا نے فرمایا ہے "وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول" اور جہاں فرمایا ہے "وما کان له علیهم من سلطان الا لنعلم من یؤمن بالاخرة" اور جہاں فرمایا ہے "فالتقطه آل فرعون لیکون لهم عدوا و حزنا" پس جبکہ اُنکے جگانے کی علت اُنکا باہم سوال کرنا نہ تھا جو دلیل ندرت زمانہ نوم کی اُن مفسرین نے سمجھی تھی گو وہ کیسی ہی لغو اور مہمل تھی مگر وہ باطل ہو جاتی ہے۔ یہ امر بھی انسانوں میں بہت واقع ہوتا ہے کہ سو کر اُٹھنے کے بعد پوچھتے ہیں کہ کتنا سوئے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ اُنکے جاگنے کی علت سونے کی مدت کا سوال کرنا تھی۔

اصل یہ ہے کہ مفسرین اور روایت گڑھنے والوں کو اس وجہ سے غلطی پڑی ہے کہ ابتدا میں یعنی جس مقام پر خدا نے لوگوں کی غلط افواہ اور غلط تعجب کا ذکر کرتے وقت انکا قول نقل کیا تھا کہ "فضربنا علی اذانهم فی الکهف سنین عددا ثم بعثناهم" اور سنین عددا سے زمانہ ممتد مقصود تھا اُسی پر انھوں نے سمجھ لیا کہ کئی سو برس سونیکے بعد اُٹھے ہونگے حالانکہ اِس واقعی اور صحیح قصہ میں خدا تعالیٰ نے اونکا سونا اور پھر جاگنا مسلسل

خبردار کردیا ہمنے اُن پر لوگونکو تاکہ وہ (یعنی اصحاب کہف) جانیں کہ بیشک وعدہ اللہ کا حق ہے اور قیامت آنیوالی ہے نہیں کچھ شک اُسمیں جبکہ وہ لوگ جھگڑتے تھے آپس میں اپنے کام میں تو انہوں نے کہا کہ بنادیں ہم اُنپر کوئی مکان (یعنی مقبرہ) اُنکا خدا اُنکے حال کو بخوبی جانتا ہے کہا اُن لوگوں نے جو غالب تھے اپنی کام پر البتہ بناوینگے ہم اُنپر ایک مسجد (۲۰) ایک گروہ کہیگا کہ (اصحاب کہف)

طور پر کہوہ میں جانیکے بعد بیان کیا ہے۔

شروع قصہ میں خود خدا تعالی نے قصہ کے عجیب ہونیکی نفی کردی تہی اور اُسکا عجیب ہونا صرف مدت دراز تک سوئے رہنے سے تھا اِس صحیح اور واقعی قصہ میں خدا تعالی نے انکا مانہ دراز تک سوئے رہنے کا ذکر نہیں فرمایا پس اس مقام پر بہی اُس غلط شہرت کو داخل کرنا صریح غلطی ہے۔

جب وہ اُٹھے تو اُنہوں نے کہا کہ بھیجو اپنے میں سے ایک کو اپنے پاس سے چاندی کا یہ سکہ دیکر شہر کو تاکہ دیکھے کہ کونسا اچھا کہانا ملتا ہے اور اُسمیں سے تمہارے لئے کہانا لاوے اور جلدی آوے اور کسی کو تمہاری خبر نہ کرے بیشک اگر وہ تم پر چڑھ آوینگے تو پتہر مار کر مار ڈالیں گے یا تمکو اپنے مذہب میں پھیر لیں گے اور اُسوقت تم کبھی فلاح نہیں پانے کے۔

اِسکی تصریح قرآن مجید میں نہیں کہ وہ صرف ایک ہی دفعہ کہانا لینے گیا یا اِسی طرح متعدد دنوں تک کہانا لایا کرتا تھا مگر تفسیر معالم التنزیل میں محمد بن اسحق کی روایت لکھی ہے کہ "فلبثوا بذلك ما لبثوا" یعنی وہ اِسی طرح کرتے تھے جب تک کہ وہ کرتے رہے اور اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ تک وہ اسیطرح اپنا کہانا شہر سے منگاتے رہے۔

(۲۰) اسکے بعد خدا فرماتا ہے کہ اسطرح ہمنے لوگوں کو انکی خبر کردی مگر اسکے بعد خدا نے یہ نہ بتایا کہ ان لوگوں نے انکی خبر پاکر اُنکے ساتھ کیا کیا مگر یہ فرمایا تاکہ وہ جان لیں کہ بیشک وعدہ اللہ کا سچا ہے اور بیشک قیامت آنیوالی ہے اِس میں کچھ شک نہیں۔

اِس مقام پر جو بحث ہے وہ یہ ہے کہ "لیعلموا" میں جو ضمیر ہے اُسکا مرجع کون ہیں عموماً مفسرین عام لوگوں کی طرف جنکو انکی خبر ہوگئی تھی اُسکا مرجع بیان کرتے ہیں مگر لوگوں کو انکی خبر ہو جانے سے کہ وہ پہاڑ کی کھوہ میں چھپے ہوئے ہیں اور "ان وعد الله حق وان الساعة لاريب فيها" سے کیا تعلق ہے۔

ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ
وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّيٓ أَعْلَمُ
بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ
فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَاْىءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٢﴾ إِلَّآ
أَن يَشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسٰىٓ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي
لِأَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٣﴾ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ

اگر کہا جاوے کہ انکی خبر ملنے کا واقعہ اُسوقت کا ہے جبکہ وہ ایک مدت دراز تک سوکر اُٹھے تھے تو اول تو انکے
مدت دراز تک سوتے رہنے کی نفی ہو چکی اور اگر بالفرض تسلیم کیا جاوے تو بھی ایک مدت تک گو کہ وہ کتنی ہی دراز
ہو سوکر اُٹھنے سے اِس بات کا کہ وعد اللہ حق وان الساعة لاریب فیھا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

اور اگر بالفرض وہ اُس کھوہ میں مر گئے ہوں جیسے کہ بعض مورخین کا قول ہے اور تین سو برس بعد پھر زندہ
ہوئے ہوں اور اُنکے دوبارہ زندہ ہونیکے بعد لوگوں کو خبر ہوئی ہو تو بھی اِنکا دوبارہ زندہ ہونا کسی نے نہیں
دیکھا تو پھر کیونکر اُن لوگوں کو جنہوں نے انکی خبر سنی تھی قیامت یعنی حشر اجساد پر یقین ہو سکتا تھا۔
کچھ شبہ نہیں ہے کہ ضمیر لیعلموا کی خود اصحاب کہف کی طرف راجع ہے کہ جب اُنکو معلوم ہوا کہ لوگوں کو اُنکی
خبر ہو گئی تو اُنکو یقین ہوا کہ اب وہ مارے جاوینگے۔ پس خدا کا یہ فرمانا کہ لیعلموا ان وعد اللہ حق وان الساعة
لاریب فیھا اشارہ اس بات کا ہے کہ وہ مارے گئے کیونکہ اِس بات کا جاننا کہ وعد اللہ حق جیسا کہ موت
سے ہوتا ہے اور طرح نہیں ہو سکتا۔ قال اللہ تعالیٰ "والذین اٰمنوا وعملوا الصلحت سند خلھم
جنات تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ابدا وعد اللہ حقا ومن اصدق من اللہ قیلا"

پس جن مورخین کا یہ قول ہے کہ جب اُس بت پرست بادشاہ کو اِنکے پہاڑ کی کھوہ میں چھپے ہونیکی خبر ہوئی
تو اُسنے اُس کھوہ کا مونہہ بند کرا دیا۔ تاکہ وہ بھوکے اور پیاسے اُسمیں مر جاویں اور وہ کھوہ اُنکے لئے بمنزلہ قبر کے ہو جاوے چنانچہ وہیں مر گئے
بہت صحیح و درست معلوم ہوتا ہے اور قرآن مجید سے اُسکی تائید ہوتی ہے۔
مذکورہ بالا واقعہ کے کئی سو برس بعد پہاڑ کی کھوہ کا مونہہ جو بند کر دیا گیا تھا کھل گیا اور اُس کھوہ میں انکی لاشیں جو صرف ہڈیاں باقی تھیں
معلوم ہوئیں اور ضرور کھوہ کے اندر بموجب قاعدہ علم مناظر کے پوری لاشیں دکھائی دیتی ہونگی اُحس

تین شخص ہیں اور انمیں چوتھا اُنکا کتا ہی اور ایک گروہ کہیگا کہ وہ پانچ ہیں اور انمیں چھٹا اُنکا کتا ہی تیر مارنا بن دیکھی (یعنی بغیر جانے الٹکل پچو بات کہنا) اور ایک گروہ کہیگا کہ سات ہیں اور انمیں آٹھواں اُنکا کتا ہی کہدی اے پیغمبر کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہی انکی تعداد کو نہیں جانتے انکو مگر تھوڑے سی (۲۱) پہر تو جھگڑا مت کر اُنکے باب میں سوای ظاہری بات چیت کی اور نہ پوچھ انکے باب میں اُنمیں سی کسی ایک سی کچھ (۲۲) اور تو ہرگز مت کہہ کسی چیز کیلئے کہ البتہ میں اُسکو کرونگا کل بغیر انشاء اللہ کہی اور یاد کر اپنے پروردگار کو جب تو بھول جاوے کہہ توقع ہی کہ ہدایت کری مجھکو میرا پروردگار اس سی قریب ٹھیک بات کی (۲۳) اور رکمیں گے وہ لوگ (کہ وہ رہے اپنے کہف میں

وقت لوگوں نے اُنکی زیارت کی اور جیسے کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ "اُسوقت آپس میں اُنکے باب میں جھگڑا کرنے لگے۔ پہر اُنہوں نے کہا کہ اُنکے اوپر کوئی مکان یعنی مقبرہ بنادو۔ اُنکا خدا اُنکے حال کو بخوبی جانتا ہے"۔

اُن لوگوں نے جو اُن کہنے والوں کے کام پر غلبہ رکہتے تھے یعنی حاکم یا پادری اُنہوں نے کہا کہ اُنکو قرار دینگے مسجد یعنی عبادت گاہ۔ چنانچہ بعض انگریزی کتابوں میں جنمیں یہ قصہ بیان ہوا ہے لکھا ہے کہ اُنکی ہڈیاں ایک بڑے پتھر کے صندوق میں بند کر کے مارسیلیس کو بھیجی گئی تہیں اور سینٹ وکٹر کے گرجا میں موجود ہیں۔

(۲۱/۲۲) اس بات میں کہ اصحاب کہف کے کے آدمی تھے لوگ مختلف تھے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ کہیں گے (یعنی جب اُنسے پوچھو) کہ تین تھے اُنمیں چوتھا اُنکا کتا تھا اور کہیں گے پانچ تھے اور اُنمیں چھٹا اُنکا کتا تھا بن نشانہ دیکھے پتھر مارتے ہیں اور کہیں گے سات تھے اور اُنمیں آٹھواں اُنکا کتا تھا تو کہدے اے پیغمبر میرا پروردگار خوب جانتا ہے اُنکی تعداد کو اُنکو نہیں جانتے مگر تھوڑے۔ پہر تو اُنسے اُنکے باب میں جھگڑا مت کر سوائے ظاہری بات چیت کے اور نہ اُنکے باب میں اُنمیں سے کسی ایک سے کچھ پوچھ۔

(۲۳) اس آیت میں خدا نے اپنے پیغمبر سے کہا ہے کہ تو کبھی نہ کہنا کسی چیز کے لئے کہ میں اُسکو کل کرونگا بغیر خدا چاہے کہے اور یاد کر اپنے پروردگار کو جب تو بھول جاوے اور کہدے کہ شاید ہدایت کرے مجھکو میرا پروردگار اس سے بھی قریب زیادہ ٹھیک بات کی۔

تمام مفسرین نے اس آیت کے معنی بیان کرنے میں غلطی کی ہے اور اُسکا سبب یہ ہے کہ جو غلط

ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ

شان نزول قصہ اصحاب کہف کی بیان کی ہے اسکے سبب سے اس آیت کی تفسیر میں بھی غلطی واقع ہوئی ہے۔

تمام مفسرین قصہ اصحاب کہف کی شان نزول میں لکھتے ہیں کہ نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابی معیط مدینہ کے یہودیوں کے احبار یعنی علماء کے پاس گئے اور آنحضرتؐ کے حالات اُنسے کہے اُن لوگوں نے کہا کہ تم اُنسے تین سوال کرو اگر وہ جواب دیں تو نبی ہیں اور نہیں تو نہیں۔

ایک یہ کہ چند جوان جو اگلے زمانہ میں گذرے اُنکا کیا حال ہے۔

ایک یہ کہ اُس شخص کی جو بڑا پھرنے والا تھا اور زمین کے مشرق اور مغرب تک پہونچا تھا اُسکے حالات کیا ہیں۔

ایک یہ کہ روح کیا ہے۔

پہلے سوال کے جواب میں اصحاب کہف کا قصہ نازل ہوا۔ مگر ہمارے نزدیک نہ اس تمہید کی جو سوالات کرنیکے باب میں بیان ہوئی ہے کوئی سند ہے اور نہ اس بات کی طرف کہ اصحاب کہف کے قصہ کی نسبت کسی نے سوال کیا تھا کوئی اشارہ ہے۔ ذوالقرنین کا حال اور روح کی ماہیت بلاشبہ لوگوں نے آنحضرت صلعم سے پوچھی تھی۔ اور قرآن مجید میں اُسکی طرف اشارہ ہے جہان فرمایا ہے" یسئلونک عن ذی القرنین یسئلونک عن الروح" مگر اصحاب کہف کے قصہ میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے پایا جاوے کہ وہ قصہ آنحضرت صلعم سے کسی نے پوچھا تھا۔ معہذا نبی ہونیکی شناخت ان سوالون کے جواب پر منحصر کرنا کیسی ایک لغو اور بیہودہ بات ہے۔

اس روایت میں ایک صریح غلطی یہ ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ یہودیوں کا یا یہودی مذہب کا قصہ نہیں ہے بلکہ عیسائی مذہب کے لوگون کا قصہ ہے پس اُسکی نسبت علماے یہود سے پوچھنا یا علماے یہود کا اُسکی نسبت سوال بتانا اور اُسکے جواب پر آنحضرت صلعم کا نبی ہونا منحصر کرنا کیسا غلط ہے۔

علاوہ اِسکے یہ قصہ کچھ بہت پُرانا قصہ نہیں آنحضرت صلعم کے زمانہ سے تھوڑے زمانہ پہلے کا ہے جیسے کہ آیندہ معلوم ہوگا۔ معہذا یہ قصہ عرب جاہلیت کو بھی معلوم تھا جیسے کہ امیہ بن ابی الصلت جاہلی کے

تین سو برس

شعر سے پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے ؎

ولیس بہا الا الرقیم مجاورا ۔۔۔ وصیدھم والقوم فی الکہف ھُمَّدُ

پس ایسے قصہ کو پوچھنا اور اُسپر نبی ہونیکو منحصر کرنا کسی طرح سمجھنے کے قابل نہیں ہے۔

علاوہ اِسکے خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کہ قبل اسکے کہ خدا تعالیٰ اِس قصہ کی حقیقت بتلاوی آنحضرت صلعم اِس قصہ کو مع اُن عجائبات کے جو لوگون نے اُسمیں شامل کر دئے تھے سُن چکے تھے اور متعجب ہوئے تھے خدا نے کہا اے محمدؐ کیا تو نے سمجھا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم میری عجیب نشانیون میں سے تھے اور جب تک کہ آنحضرت نے وہ قصہ مع اُن عجائبات کے جو لوگون نے اُسمیں شامل کر لئے تھے۔ نہ سُن لیا ہو تو خدا کا یہ فرمانا کہ کیا تو نے اُسکو عجیب سمجھا ہے صحیح نہیں ہو سکتا بے جانی ہوئی چیز پر نہیں کہا جا سکتا کہ کیا تو نے اُسکو عجیب جانا ہے۔

یہ کہانی کہ قریش نے احبار یہود کے کہنے سے آنحضرت صلعم سے تین سوال کیے تھے اور آپ نے فرمایا کہ میں کل اسکا جواب دونگا مگر انشاء اللہ تعالیٰ نہ کہا اور پندرہ روز تک نہ جبرئیل آئے نہ وحی لائے اور قریش الیسی ویسی باتین بنانے لگے اور آنحضرت ملول و متفکر ہوئے محض غلط اور ساختہ کہانی ہے اور حدیث کی کسی معتبر کتاب میں یہ روایت نہیں ہے۔

لوگون کی عادت ہے کہ جہان قرآن مجید کی کسی آیت میں اِس قسم کا کوئی لفظ دیکھا جس پر کوئی قصہ بنتی ہو سکتا ہے اُسکی مناسبت سے ایک قصہ روایت کرنے لگے اور ہمارے مفسرین نے اُن روایتون کو اپنی تفسیرون میں نقل کرنا شروع کیا۔ اسی سورہ میں جو یہ آیت ہے کہ "اور تو کبھی نہ کہنا کسی چیز کے لئے کہ میں اُسکو کل کرونگا بغیر انشاء اللہ کہے اور یاد کر اپنے پروردگار کو جب تو بھول جاوے" اِس آیت سے لوگوں نے یہ قصہ بنایا کہ قریش نے یہ قصہ پوچھا تھا اور آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میں کل جواب دونگا مگر انشاء اللہ نہیں کہا تھا اسپر خدا روٹھ گیا اور دو ہفتہ تک وحی نہیں بھیجی نعوذ باللہ من ہٰذہ الشطحیات۔

اول تو غداً کے معنی کل کے یعنی دوسرے دن کے قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ غداً اور غد کا استعمال

وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۴﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۵﴾ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ

زمانہ مستقبل غیر معین وغیر محدود پر ہوتا ہے خدا نے سورہ لقمان میں فرمایا ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کریگا پس غد کے لفظ سے جسکا ترجمہ کل (اور فردا) ہے دوسرا دن مراد نہیں ہے بلکہ اُس سے زمانہ مستقبل یعنی آنیوالا زمانہ مراد ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ آیندہ وہ کیا کریگا۔

زمانہ جاہلیت میں بھی غد کے لفظ کا اس معنی میں استعمال ہوتا تھا جیسے کہ زیاد ابن معاویہ المعروف بالنابغہ الذبیانی جاہلی شاعر نے کہا ہے ؎

لا مرحبا بغد ولا اهلا به	ان كان تفريق الاحبة في غد

پس اس آیت میں جو لفظ غداً کا ہے اُسکے معنی دوسرے دن کے نہیں ہیں خدا نے فرمایا کہ جب تم آیندہ زمانہ میں کسی کام کے کرنیکو کہو تو اُسکے ساتھ انشاء اللہ کہہ لیا کرو۔ لوگوں نے اس خیال سے کہ یہ آیت سورہ کہف کی آیتوں میں شامل ہے اور غد کا لفظ اُسمیں آیا ہے اور لوگوں کا ذوالقرنین کی نسبت اور روح کی نسبت بھی سوال کرنا قرآن میں مذکور ہے ایک روایت جسکی کوئی سند نہیں ہے بنا گھڑی کی اور ہمارے مفسروں نے اپنی تفسیروں میں نقل کرنا شروع کردیا۔

خدا تعالیٰ نے اس مقام پر اصحاب کہف کے قصہ کو اخیر تک بیان نہیں کیا بلکہ صرف اُسی قدر بیان کیا ہے جہانتک اُس بات سے علاقہ رکھتا ہے جس سے اس قصہ کا عجیب وغریب اور مافوق الطبیعت ہونا لوگوں نے بیان کیا ہے باقی قصہ کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ اُسکے بیان کی ضرورت نہ تھی اس لیے جس مقام پر اُس قصہ کو چھوڑا اپنے پیغمبر کو نصیحت کی ہے کہ جو کام تم آیندہ کو کرنا ہو بغیر انشاء اللہ کہے مت کہو کہ میں کرونگا اور اگر انشاء اللہ کہنا بھول جاوے تو اُسکو یاد کرلے یعنی یاد آنے پر کہہ لے۔ یہ جملہ اس مقام پر اسلیے فرمایا کہ خدا نے قصہ کو نا تمام چھوڑ کر اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ یہ کہدے کہ ہدایت کرے مجکو میرا پروردگار اس سے بھی قریب زیادہ ٹھیک بات کی یعنی جو قصہ باقی رہ گیا ہے اُسکو بھی تحقیق طور پر بتا دینے کی اور اسی کے بعد فرمادیا کہ

اور اُنھوں نے زیادہ کئی نو برس (۲۴) کہدے کہ اللہ خوب جانتا ہی کہ کتنی مدت رہی، اُسی کیلئے ہے علم غیب آسمانونکا اور زمین کا۔ خوب دیکھنے والا ہی انکو اور سننے والا نہیں ہی اُنکے لئے اُسکے سوا کوئی دوست اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسیکو (۲۵) اور پڑھ سُنا جو کچھ کہ ہمنے وحی بھیجی ہے

خدا کو معلوم ہے کہ وہ کہف میں کتنی مدت رہے۔ غرضکہ جو شان نزول مفسرین نے بتائی ہے وہ صحیح نہیں ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ قاضی عبد الجبار معتزلی نے بھی اس شان نزول پر اعتراض کیا ہے کہ یہہ شان نزول صحیح نہیں ہے۔

(۲۴) (۲۵) چوبیسویں آیت میں جو لفظ "ولبثوا" کا ہے اُسکا عطف "یقولون" پر ہے جو اِسکی پہلی آیت میں ہے یعنی کہیں گے کہ وہ رہے پہاڑ کی کھوہ میں تین سو برس اور اُنھوں نے زیادہ کئے (یعنی اُس پر) نو برس تو کہدے کہ خدا خوب جانتا ہے کہ کتنی مدت وہ رہے اُسی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کا جاننا خوب دیکھنے والا ہے اُسکا یعنی غیب کا اور خوب سننے والا اُسکے سوا اُنکے لئے کوئی دوست نہیں ہے اور وہ شریک نہیں کرتا اپنے حکم میں کسی کو۔

اِس آیت سے ظاہر ہے کہ اصحاب کہف کسی مدت تک پہاڑ کی کھوہ میں رہے اور اِس کہنے سے لازم آتا ہے کہ وہ کسی مدت کے بعد پہاڑ کی کھوہ میں سے نکلے مگر کوئی مورخ اِس بات کو نہیں کہتا کہ وہ کسی زمانہ میں پہاڑ کی کھوہ میں سے زندہ نکل کر کہیں رہے ہوں اور نہ کسی روایت میں ایسا بیان ہوا ہے پس جس مدت کا اِس آیت میں ذکر ہے اُس سے وہی مدت مراد ہے جو اُنکے پہاڑ کی کھوہ میں جانے اور اُنکی ہڈیوں کو اُس میں سے نکالنے میں گذرا بیشک اِس زمانہ کی مدت ٹھیک معلوم نہیں ہے لیکن جہانتک کہ تاریخ سے معلوم ہو سکتا تھا اُسکو ہم بیان کر چکے ہیں۔

یہ ہے صحیح قصہ اصحاب کہف کا بعض لوگوں کو جہاں کہیں پرانی لاشیں برآمد ہوئی ہیں شبہ پڑا ہے کہ یہ لاشیں اصحاب کہف کی ہیں معجم البلدان میں یاقوت حموی نے ایک قصہ لکھا ہے کہ واثق باللہ نے محمد بن موسیٰ نجومی کو روم میں بھیجا کہ وہ اصحاب کہف کو دیکھے اور وہ روم کے ایک شہر میں گیا وہاں ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا کہ اُسکا گھیر نیچے سے ہزار گز سے کچھ کم تھا اور زمین سے ملی ہوئی اُس میں ایک سُرنگ

اِلَیۡکَ مِنۡ کِتٰبِ رَبِّکَ

تھی وہ اُسمیں گیا اور وہ تین سو قدم نیچے چلے گئے وہاں پہونچکر اُسکو ایک مکان ملا جو ستونوں پر بنایا ہوا تھا اور ستون بھی پہاڑ ہی میں سے کھودے ہوئے تھے اور اُسمیں کئی کوٹھریاں تھیں ایک کوٹھری کی کرسی آدمی کے قد کے برابر اونچی تھی اور اُسپر ایک پتھر کا دروازہ تھا وہاں ایک آدمی متعین تھا وہ ان لاشوں کے دیکھنے اور تلاش کرنیکو منع کرتا تھا اور ڈراتا تھا کہ کچھ آفت لگ جائیگی منجم نے اُسکے منع کرنیکو نہ مانا اور نہایت مشکل اور دقت سے اُسکے اوپر چڑھا وہاں اُسنے لاشین دیکھیں جو صبر اور مر اور کافور سے لیپ کیئے ہوئے رکھی تھیں۔

ایک اور قصہ ہے کہ بلقا میں بطراف دمشق ایک جگہہ عمان کے قریب ہے لوگ کہتے ہیں کہ وہ جگہہ اصحاب کہف والرقیم کی ہے۔

اور ایک یہ قصہ ہے کہ اندلس کے جنگل میں ایک جگہہ ہے جسکو جنان الورد کہتے ہیں اور اُسی کو اصحٰب الکہف والرقیم کی جگہہ بتاتے ہیں اور وہاں لاشین ہیں کہ وہ بگڑ گئی ہیں۔

ایک اور قصہ ہے کہ علی بن یحییٰ اٹلی کے ملک میں ایک جگہہ گیا اُسنے غار دیکھ تھیں اور یہ خیال کیا کہ سات لاشین تو اصحاب کہف کی ہیں اور باقی لاشین اہل [illegible] اپنے بزرگونکی صبر اور اَدْرِ دوا میں مل کر رکھدین ہیں۔

عبادہ بن صلت سے ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رض نے اپنے پہلے سال خلافت میں اُسکو روم میں بھیجا قریب قسطنطنیہ کے اُسنے ایک سرخ رنگ کا پہاڑ دیکھا اور لوگوں نے کہا کہ اُس میں اصحاب الکہف ہیں وہان ایک گرجا تھا گرجا کے لوگون نے ایک سرنگ بتائی جو پہاڑ میں تھی وہ مجھکو وہاں لے گئے اور وہاں ایک لوہے کا دروازہ لگا ہوا تھا وہ کھولا تو ہم ایک بڑے مکان میں پہونچے اُسمیں تیرہ لاشین چیت رکھی ہوئی تھیں گویا کہ وہ سوتے ہیں ہمنے اُنکا مونہہ کھول کر دیکھا تو وہ بالکل تر و تازہ تھا جیسا کہ زندہ آدمیون کا۔ ایک شخص کے مونہہ پر تلوار کا زخم تھا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی زخم لگا ہے۔ مینے اُن لوگون سے اُنکا حال پوچھا تو اُنھوں نے کہا کہ ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں کہ یہہ لاشین حضرت عیسیٰ کے مبعوث ہونے سے چار سو برس پہلے سے ہیں اور یہ سب ایک وقت میں انبیا

تیرے پاس تیرے پروردگار کی کتاب

مبعوث ہوئے تھے اسکے سوا اور کچھ ہم نہیں جانتے۔

۱۸۸۶ء میں جب ایک انگریزی کمیشن افغانی اور روسی حد مقرر کرنیکو ترکمانون کے ملک میں گیا تو اُسوقت ایک شخص نے ایک پہاڑ کا جسکا نام اُسنے کوہ رقیم لیا ہے اس طرح پر حال لکھا ہے۔

کوہ رقیم جس میں سات شخص خوابیدہ ہیں یہ زیارت مسلمانون کی ہے اور ہمارے کیمپ سے چار میل جنوب و غرب کو وادی حراق میں ہے کیمپ کے مسلمان اُسکی طرف چلے اور میں بھی گھوڑے پر سوار معہ صوبیدار محمد حسین خان صاحب دوسری پلٹن سکھ کے گیا۔ اہل اسلام اس مقام کو اس لیے متبرک جانتے ہیں کہ اصحاب کہف کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اس پہاڑ کو جسمیں یہ زیارت واقع ہے یہان کے باشندے چہار شنبہ بھی بولتے ہیں اور اُسکے نواح میں پہلے کسی زمانہ میں ایک آبادی قشلان نام کی تھی جس میں ۸ ہزار باشندے بستے تھے شاید کسی مقام پر شہر فسوس بھی ہوگا جسکا ذکر قصۂ اصحاب کہف میں کیا جاتا ہے کہ ایک شخص منجملہ ان سات شخصون کے شہر فسوس میں گیا تاکہ روٹی خرید لاوے۔ لیکن اسکا صحیح پتہ مشکل ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ مقام (التیمور) میں تھا جو جنوبی جانب پہاڑ ونمیں ہے اور جہان ابتک ایک قطعہ موجود ہے فی الحال اس قطعہ کی سیر ممکن نہیں کیونکہ برف بہت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مقام مچکو میں تھا جو چہار شنبہ سے مشرق کیطرف سات میل کے فاصلہ پر ہے واقعی مچکو ایک آباد جگہ تھی اور بڑا موضع تھا جسکو ترکمانون نے غارت کرکے اُجاڑ دیا ہے۔ یہ مقام درمیان مروچک اور اندخوی کے ہے۔ کوہ رقیم پر اسوقت بیس خاندان سیدون کے آباد ہیں اور ایک موضع خاص سادات کا غار کے مونہہ پر واقع ہے آگے بڑھکر ایک اور موضع ڈہائی سو خاندان کی آبادی کا ہے۔ یہ پہاڑ ایک تنگ وادی میں ہے اور جس میں مجاورین تردد کرتے ہیں وہ اُنکو معاف ہے۔ علاوہ اسکے جو لوگ زائرین یہان آتے ہیں وہ مجاورین کی خدمت کرتے ہیں یہان ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور غار کے مونہہ پر ایک محراب دار دروازہ بیس فٹ بلند بنا ہوا ہے اور اُسپر ایک چوب بطور نشان استادہ ہوکر ایک کپڑا اُسمین لگا ہوا اُڑتا ہے۔ اس غار کے چارونطرف ایک وسیع قبرستان ہے جو شخص مرتا ہے یہیں لاکر دفن ہوتا ہے اسی وجہ سے کہ یہ پہاڑ متبرک ہے۔ غار کے مونہہ سے دس بارہ گز کے فاصلہ پر ایک طرف

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ
مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ
وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ
اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۷﴾
وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

تہ خانہ ہے تہ خانہ میں دور چلکر ایک دروازہ مٹی سے چھپا ہوا ہے سیدون نے کہا کہ یہ سیدہا راستہ مکہ کا ہے مگر قدرت اُسکو کھولنے نہیں دیتی جب مٹی ہٹاتے ہیں اور مٹی یہان گر جاتی ہے دہنی طرف ایک تاریک حجرہ میں ایک زینہ لگا ہے اور اُسمیں تختے بچھے ہیں اور یہان سے راستہ خفتگان کا بند کر دیا ہے۔ سیدون نے بہت کچھ کرامات اصحاب کہف کی بیان کی اور کہا اصحاب موصوفین اب بھی غار کے اندر سوتے ہیں۔ اور کچھ تبرکات بھی دکھلائے اور سب سے بڑا مشاہدہ یہ ہوا کہ اُنھوں نے شمع اندر بڑہا کر کہا دیکھو یہ سوتے ہیں ایک چادر سفید گوٹ کی نظر آئی۔

نامہ نگار کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ ہمکو یہ بھی دکھلا دو کہ اِس چادر کے نیچے کیا ہے اُنھوں نے کہا یہ نہ ہوگا کیونکہ ہم خود واقف نہیں کہ اِسکے نیچے کیا ہے اور کہنے لگے کہ زمانہ ماسبق ایک شخص نے کپڑا اُٹھا کر دیکھنا چاہا تھا فوراً اندھا ہو گیا تھا۔ اور کہا کہ اگر تمہیں شک ہے تو ادہر دیکھو اور یہ کہکر شمع ایک طرف پھیر دی دیوار کے ساتھ کُتّے کی ٹانگیں نظر آئیں گمان تھا کہ کُتّا سوتا ہے۔ واللہ اعلم کیا اسرار ہے۔

اِس قسم کی لاشوں کا برآمد ہونا اگر وہ درحقیقت اور فی الواقع برآمد ہوں تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے مصر میں ہزاروں برس کا دستور تھا کہ لاشوں کو ممی بنا کر رکھتے تھے چنانچہ بہت سی میوزیم میں وہ لاشین جو برآمد ہوئی ہیں موجود ہیں۔

ایشیا میں بھی قدیم زمانہ میں ممی بنانیکا کسی قدر رواج ہوا تھا اور اِس سبب سے بعض ایشیا کے مقاموں میں سے ایسی لاشین برآمد ہوئی ہیں۔ علاوہ اِسکے بعض ملکون اور پہاڑوں میں بسبب

سے کوئی بدلنے والا نہیں ہے اُسکے حکموں کو اور ہرگز نپاویگا تو اُسکے سوا کوئی جگہ پناہ کی (۲۶) اور صبر سے رکھ اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو صبح کو اور شام کو اور چاہتے ہیں اُسکے مونہہ (یعنی اُسکی رضامندی) کو اور نہ پھر جاویں تیری آنکھیں اُنسے چاہتے تو بناؤ زندگانی دنیا کا اور نہ اطاعت کر اُسکی جسکے دل کو ہمنے غافل کردیا ہی اپنے ذکر سے اور اُسنے پیروی کی اپنی خواہش کی اور ہی اُسکا کام حد سے بڑھا ہوا (۲۷) اور کہدے کہ یہ سچ بات ہی تمہارے پروردگار کیطرف سے جو کوئی چاہے تو ایمان لاوے۔ اور جو کوئی چاہے تو کافر ہووے

تاثیرات ملکی اور برف کے اسی طرح کی افتادہ لاشیں بھی نکل آتی ہیں اور لوگ اُنکو اصحاب کہف کی لاشیں سمجھ جاتے ہیں۔

علاوہ اسکے اُن مقاموں کے خادم روپیہ کمانیکے لئے بہت کچھ فریب کیا کرتے ہیں اور جھوٹی روائتیں بیان کرتے ہیں جیسی زمانہ میں کہ سید احمد صاحب سکھوں سے لڑکر شہید ہوئے اُنکی لاش میدان جنگ میں دستیاب نہیں ہوئی غالباً اسوجہ سے کہ مغلوبین تو کافی طرح تلاش نہ کرسکے اور جو غالب ہوئے تھے وہ یقیناً پہچان نہیں سکتے تھے پس اُنکے مریدوں کو موقع ملا اور اُنھوں نے کہا کہ وہ زندہ ہیں اور پہاڑ کی کھوہ میں خدا کی عبادت اور نماز میں مشغول ہیں اور اُنھوں نے کھوہ میں ایک لکڑی پر عمامہ رکھکر اور جبہ کرتا پہنا دیا تھا اور دور سے لوگوں کو دکھا دیتے تھے کہ وہ بیٹھے نماز میں مشغول ہیں۔

ہزاروں لوگ اب بھی بعض بزرگوں کی نسبت یقین رکھتے ہیں کہ وہ سیکڑوں برس سے پوشیدہ زندہ ہیں اور وقت مقرر پر تشریف لاوینگے۔ یہودی چند بزرگوں کو زندہ جانتے ہیں۔ مسلمان و عیسائی حضرت عیسٰی کے زندہ ہونے کے اور پھر دنیا میں آنے کا یقین کرتے ہیں شیعہ حضرت امام مہدیؑ کے پوشیدہ ہوجانے اور ابتک بلکہ وقت ظہور تک جو قیامت کے قریب ہوگا زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ اس قسم کے خیالات و اعتقادات ایسی باتوں پر جو لوگ بنا لیتے ہیں زیادہ یقین کرلینے کے باعث ہوتے ہیں۔

إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِن يَسْتَغِيثُوا
يُغَاثُوا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۸﴾
إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ
عَمَلًا ﴿۲۹﴾ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ
يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّن
سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ
وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۰﴾ وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِ
هِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنٰبٍ وَحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا
كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ ءَاتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِم مِّنْهُ شَيْـًٔا ۚ وَفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۱﴾
وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصٰحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالًا
وَأَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۲﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَآ أَظُنُّ
أَن تَبِيدَ هٰذِهِ أَبَدًا ﴿۳۳﴾ وَمَآ أَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَلَئِن
رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّى لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا ﴿۳۴﴾ قَالَ لَهُ
صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِى خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ
ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۵﴾

بیشک ہمنے تیار کر رکھا ہی ظالمونکے لئے آگ کو کہ گھیر لینگی انکو اُسکے پردے اور اگر وہ فریاد کریں (پانی کیلئے) تو انکی فریاد کو پہونچ جاویگا پانی پگھلے ہوے تانبے کی مانند کہ بھون دیگا انکے موہنونکو بُری ہی پینے کی چیز اور بُری ہی رہنے کی جگہہ (۲۸) بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کیئے ہیں بیشک ہم نہ ضایع کرینگے اجر اُسکا جسنے اچھے کام کئے (۲۹) یہ لوگ ہیں کہ اُنکے لیئے ہے جنت ہمیشہ رہنے کی بہتی ہیں اُنکے نیچے نہریں گہنا پہنائے جاوینگے اُسمیں سونیکے کنگنوں سے اور پہنینگے کپڑے سبز حریر کے اور ریشم کے بنے ہوے تکیہ لگا ہودی اُسمیں بیٹھے ہونگے تختوں پر یہ اچھی جزا ہے اور اچھی ہے رہنے کی جگہہ (۳۰) اور بیان کر اُنکے لئے ایک مثال دو شخصونکی ہمنے دیئے اُن دونوں میں سے ایک کو دو باغ انگور کے گھیر دیا ہمنے اُن دونوں باغوں کو کھجور کے درختوں سے اور ہمنے پیدا کی اُن دونوں باغوں میں کھیتی دونوں باغ لائے اپنا پھل اور نہ گھٹی اُس سے کوئی چیز (۳۱) اور بہادی ہمنے اُن دونوں میں نہر اور تھی اُس شخص کیلئے بہت پھل پھر اُسنے کہا اپنے ساتھی سے اُس حالت میں کہ وہ اُس سے گفتگو کرتا تھا کہ میں بہت زیادہ رکھتا ہوں تجھسے مال اور زیادہ عزت والا ہوں تجھسے بلحاظ نوکروں کے (۳۲) اور وہ آیا اپنے باغ میں اور وہ ظلم کرنیوالا تھا اپنے آپ پر کہا اُسنے کہ میں نہیں گمان کرتا کہ برباد ہوگا یہ کبھی (۳۳) اور میں نہیں گمان کرتا کہ قیامت قایم ہونیوالی ہے اور اگر (بالفرض) میں لوٹایا جاؤں اپنے پروردگار کے پاس تو ضرور پاؤنگا میں اسسے بہی اچھی جگہہ لوٹ کر جانیکی (۳۴) کہا اُس سے اُس کے ساتھی نے اُس حالت میں کہ وہ اُس سے گفتگو کرتا تھا کہ کیا تو کافر یعنی منکر ہے اُسکا جسنے تجھکو پیدا کیا مٹی سے پھر نطفہ سے پھر تجھکو ٹھیک کیا ایک آدمی (۳۵)

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۶﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۷﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۳۸﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۳۹﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۰﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۱﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۲﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۳﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۵﴾

لیکن میں یقین کرتا ہون کہ وہی ہے اللہ میرا پروردگار اور نہیں شریک کرتا میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسیکو (۳۶) اور کیون نہیں جب داخل ہوا تو اپنے باغ میں تو نے کہا ماشاءاللہ یعنی جو چاہا خدا نے نہیں ہے قوت مگر اللہ کو اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں کم ہون تجھسے مال میں اور اولاد میں (۳۷) پہر شاید میرا پروردگار کہ دیوے مجکو بہتر تیرے باغ سے اور بہیجے تیرے باغ پر کوئی آفت آسمان سے پہر ہو جاوے مٹی شور لگی ہوئی پاؤن پہسلا دینے والی (۳۸) یا ہووے کہ اُسکا پانی نیچے بیٹھہ جاوے پہر نہ طاقت ہو تجھکو ڈہونڈہکر لانیکی (۳۹) پہر اُس آفت نے گہیر لیا اُسکے پہلونکو پہر صبح کو اُٹہا دونون ہاتھ ملتے ہوئے اُسپر جو خرچ کیا تھا اُس نے اُنمیں اور وہ گری ہوئی تہین زمین پر اپنی گری ہوئی ٹٹیون پر اور کہے اے کاش میں نہ شریک کرتا اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو (۴۰) اور نہ تہا اُسکے لئے کوئی گروہ کہ مدد دے اُسکو سواے اللہ کے اور نہ تہا کوئی بدلا لینے والا (۴۱) اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر طرح کی کارسازی اللہ ہی کے لئے برحق ہے۔ وہ اچھا ہے ثواب دینے کو اور اچھا ہے انجام کرنیکو (۴۲) اور بیان کر اُنکے لئے مثال دنیا کی زندگی کی کہ وہ پانی کی مانند ہے کہ اُتارا ہمنے اُسکو آسمان سے پہر مل گیا اُسمیں گہاس پہوس زمین کا پہر ہو گیا چورا چورا اوڑاتی ہیں اُسکو ہوائین اور ہے اللہ ہر چیز پر قدرت والا (۴۳) مال اور بیٹے سنگار ہیں دنیا کی زندگی کے اور باقی رہنے والی نیکیان بہتر ہیں نزدیک تیرے پروردگار کے ثواب میں اور بہتر ہیں اُمید رکہنی میں (۴۴) اور جسدن چلتا کرین پہاڑونکو اور تو دیکھے زمین کو چٹیل اور اکٹہا کرین ہم اُنکو یعنی لوگونکو پہر نہ چہوڑینگے ہم اُنمیں سے ایک کو (۴۵)

وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ۡ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا

(۴۷) یہ آیت اور اس سے پہلے کی آیتیں قیامت کے حال سے متعلق ہیں۔ اور اس آیت میں جو لفظ ہے "وضع الکتب" اس سے مفسرین نے اعمالنامے مراد لئے ہیں۔ مگر سب سے پہلے ہمکو یہ بیان کرنا چاہئے کہ اعمالناموں کا ہونا اور انکا لکھا جانا جو تسلیم کیا گیا ہے اُسکی بنا کن آیتوں پر ہے اور کون اُنکے لکھنے والے قرار دئے گئے ہیں اور اعمالناموں کے لکھے جانے کی حقیقت کیا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ اُنکی بنیاد مفصلہ ذیل آیتوں پر ہے۔

سورۃ انفطار میں خدا نے قیامت کا حال بیان کرکے فرمایا ہے کہ ہر شخص جان لیگا کہ اُسنے کیا آگے بھیجا ہے اور کیا پیچھے چھوڑا ہے۔ اور اُسکے بعد فرمایا ہے کہ نہیں نہیں! اے کافرو تم اسی بات سے منکر نہیں ہو بلکہ تم جھوٹ سمجھتے ہو قیامت کو اور حال یہ ہے کہ بیشک تم پر نگہبان ہیں بڑے قدر والے لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

> کلا بل تکذبون بالدین وان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون (انفطار - ۱۰-۱۲)

تمام مفسروں نے "حافظین" سے فرشتے مراد لیے ہیں یعنی تم پر فرشتے نگہبان ہیں۔ اور "کراما کاتبین" "حافظین" سے بدل واقع ہوا ہے جسکا مطلب یہ ہوا کہ جو فرشتے محافظ ہیں وہی لکھنے والے ہیں۔

اور سورۂ زخرف میں خدا نے فرمایا ہے کہ کیا وہ یعنی کافر گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سُنتے ہیں اُنکی پوشیدہ باتوں اور اُنکی سرگوشیوں کو یوں نہیں ہے حال یہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے اُنکے پاس لکھتے ہیں تفسیر کبیر میں لکھا ہے

> ام یحسبون انا لا نسمع سرھم ونجواھم بلی ورسلنا لدیھم یکتبون (زخرف - ۸۰)

اور روبرو لائے جاوینگے اپنے پروردگار کے سامنے صف باندھکر (تو ہم کہینگے) البتہ تم آئے ہو ہمارے سامنے جسطرح کہ ہمنے پیدا کیا تھا تمکو پہلی دفعہ بلکہ تم نے گمان کیا تھا کہ نہ کرینگے ہم تمہارے لئے کوئی جگہہ وعدہ کیگئی (۴۶) اور رکھی جاویگی کتاب پہر دیکھے گا تو گنہگاروںکو ڈرتے ہوئے اُس چیز سے جو اُسمیں ہے اور کہیں گے ہائے افسوس ہے پر کیا ہے اس کتاب کیلئے نہیں چھوڑتی چھوٹی بات کو اور نہ بڑی بات کو مگر گھیر لیا ہے اُسکو اور وہ پاوینگے جو کچھ کہ اُنہوں نے کیا ہے موجود اور ظلم نہیں کرتا تمہارا پروردگار کسی پر (۴۷) اور جب ہمنے کہا

کہ "رسلنا" سے مراد ملائکہ حفظہ ہیں جو انسانوں کے حالات لکھتے رہتے ہیں۔

اور سورہ یونس میں خدانے فرمایا ہے کہ جب لوگوں کو بھلائی کی بعد کچھ بُرائی پہونچتی ہے تو وہ ہماری نشانیوں میں مکر کرتے ہیں اے پیغمبر ان سے کہدے کہ اللہ بہت تیز ہے مکر میں بیشک ہمارے بھیجے ہوئے لکھہ لیتے ہیں جو کچھ تم مکر کرتے ہو۔ اِس آیت میں بھی مفسرین نے "رسلنا" کے لفظ سے ملائکہ حفظہ مراد لی ہے۔

> قل اللہ اسرع مکرا ان رسلنا یکتبون ما تمکرون (یونس ۲۲)

اور سورہ طارق میں خدانے فرمایا ہے کہ کوئی شخص نہیں کہ اُسپر ایک نگہبان نہ ہو اس آیت میں بھی "حافظ" کے لفظ سے مفسرین نے حفاظت کرنیوالا فرشتہ مراد لیا ہے۔

> ان کل نفس لما علیھا حافظ (طارق ۴)

اور سورہ رعد میں خدانے فرمایا ہے کہ ہر انسان کے لئے باری باری سے آنیوالے ہیں فرشتے اُسکے سامنے اور اُسکے پیچھے نگہبانی کرتے ہیں اُسکی خدا کے حکم سے۔ اِس آیت میں بھی "معقبات" کے لفظ سے تمام مفسرین نے ملائکہ حفظہ مراد لی ہے۔

> لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ (رعد ۱۲)

اور سورہ ق میں خدانے فرمایا ہے کہ بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ

لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ کَانَ مِنَ الۡجِنِّ

ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس به نفسه ونحن اقرب الیه من حبل الورید اذ یتلقی المتلقیان عن الیمین وعن الشمال قعید ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید (ق-۱۵-۱۷)	اُسکے دل میں آتا ہے اور ہم اُسکے گردن کی رگ سے بھی زیادہ اُسکے پاس ہیں۔ اِسکے بعد فرمایا ہے کہ جب یاد کر لیتے ہیں دو یاد کرنیوالے داہنے اور بائیں بیٹھے ہوئے وہ کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا مگر اُسکے پاس مستعد نگہبان ہے اس آیت میں اکثر مفسرین نے ”متلقیان“

کے لفظ سے وہ دونوں فرشتے مراد لئے ہیں جو انسان کا اعمال نامہ لکھتے ہیں۔

ان تمام آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جن کو ملائکہ حفظہ کہا گیا ہے وہی کراماً کاتبین ہیں اور ظاہرا اسمیں تمام مفسرین متفق معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اگرچہ ہم اپنی تفسیر میں بوضاحت اس بات پر بحث کر چکے ہیں کہ ملائکہ کا اطلاق کسی وجود خارج از موجودات عالم پر نہیں ہوا بلکہ جو قوی خدا تعالیٰ نے انسان میں اور تمام موجودات عالم میں رکھے ہیں اُنھی پر ملائکہ کا اطلاق ہوا ہے مگر ہم اب اس بات کو خود قرآن مجید سے ثابت کرتے ہیں کہ حفظہ سے فرد کوئی وجود خارج از انسان مراد نہیں ہے بلکہ حفظہ کا اور کراماً کاتبین کا جنکو مفسرین متحد مانتے ہیں صرف قوی انسانی پر اطلاق ہوا ہے اور جس آیت سے ہم اِس بات پر استدلال کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے۔

خدا تعالیٰ سورۂ انعام میں فرماتا ہے کہ وہی یعنی خدا زبردست ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے

وھو القاھر فوق عبادہ ویرسل علیکم حفظۃ حتی اذا جاء احدکم الموت توفتہ رسلنا وھم لا یفرطون (انعام-۶۱)	یہانتک کہ جب تم میں سے ایک کو موت آتی ہے تو اُسکو ہمارے بھیجے ہوئے مار ڈالتے ہیں اور وہ تقصیر نہیں کرتے۔

اگر لفظ ”حفظۃ“ سے سوائے قوای انسانی کے فرشتے خارج از انسان مراد لئے جائیں تو پھر اُنھی فرشتوں کو انسان کی روح کا قبض کرنیوالا کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے اور آیت میں کوئی اشارہ اس بات کا نہیں پایا جاتا کہ ”رسلنا“ سے سوائے ”حفظۃ“ کے اور دوسرے فرشتے مراد ہیں پس لازم آتا ہے کہ دونوں لفظوں سے ایسے قوی مراد ہوں جو انسان میں موجود ہیں اور جن پر حیات و ممات انسان کی منحصر ہے۔ جو قوی کہ انسان میں خدا تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں

فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پھر سجدہ کیا اُنھوں نے مگر ابلیس نے تھا جن میں سے

ہیں اور جو باعثِ حیاتِ انسان ہیں وہی ملائکہ حفظہ ہیں اور وہی کراماً کاتبین ہیں اور جب موت آتی ہے تو وہی قویٰ ایسے مختل ہو جاتے ہیں کہ انسان مرجاتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے اور یہی فطرت اِن آیتوں سے نکلتی ہے۔

یہاں تک ہم نے صرف یہ بیان کیا ہے کہ جن ملائکہ کو حفظہ اور کراماً کاتبین کرکے تعبیر کیا ہے درحقیقت وہ قویٰ ہیں جو خدا نے انسان کی فطرت میں ودیعت کئے ہیں۔ اب ہمکو اِس بات پر بحث کرنی ہے کہ کتابت اعمال سے کیا مراد ہے؟

ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ انسان کے اعمال کسی چیز پر لکھے جاتے ہیں اور وہی چیز قیامت کے دن ترازو میں رکھکر تولی جاویگی بلکہ ہم اُسکو بطور مثال کے سمجھتے ہیں جسکا مقصود اس بات کا بتانا ہے کہ جو کچھ انسان نے اپنی زندگی میں اچھا یا بُرا کیا ہے اُسمیں سے کچھ بھی کھویا نہیں جاتا بلکہ قیامت کے دن بے کم وکاست سب موجود ہوگا اور اُسپر سزا اور جزا مرتب ہوگی جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے" فلا تظلم نفس شیئا وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا وکفی بنا حاسبین" یعنی کسی شخص پر ذرہ بھی ظلم نہیں ہوگا۔ اور اگر عمل رائی کے دانہ کی برابر ہے تو ہم اُسکا بدلا بھی دینگے اور ہم کافی ہیں حساب کرنیوالے۔

حالات معاد یا واقعات ما بعد الموت اِس قسم کے ہیں جن سے انسان بالکل ناواقف ہے اور اُنکی حقیقت واقعی کا عموماً انسان کو سمجھانا نہایت دشوار بلکہ قریب ناممکن کے ہے اور اِس لئے بجز اِسکے اور کچھ چارہ نہیں ہے کہ ایسی تمثیلوں سے اُن کا بیان کیا جاوے کہ انسان کے دل پر اُسکا کچھ خیال پیدا ہو خدا خود فرماتا ہے" ویضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون" یعنی خدا انسانوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے شاید وہ چیتیں اور ہوشیار ہوں۔

جو کہ انسان کی عادت ہے کہ جو حالات واقع ہوں اُنکی یادداشت ایک کاغذ پر لکھ لے اور ایک چیز کا دوسری چیز سے کم وبیش ہونا دریافت کرنے کو اُنکو وزن کرلیں اور ایسا کرنے سے اُنکو لکھی ہوئی یادداشت پر یقین ہوتا ہے اور دونوں چیزوں کے کم وبیش ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہتا اِس لئے بطور تمثیل کے خدا نے فرمایا" کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون"۔ "ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ فلا تظلم

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ

نفس شیئا" یعنی بڑی قیدوالے لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو ہم قیامت کے دن عدل کی تراز د کھڑی کرینگے اور کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

یہ مقصود جو قرآن مجید کا تھا اُسکو بلا خیال اِسکے کہ یہ بیان حقیقت ہے یا تمثیلی تمام بدوان عرب اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین بخوبی جانتے تھے اور سمجھتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ اِس سے زیادہ جاننے کی اور بیان کی اور حجت کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر جب علوم نے ترقی کی اور متعدد قسم کے علوم شائع ہوئے اور یہ خیال پیدا ہوا کہ خدا تو خود عالم ہے" وھو یعلم سرکم وجھرکم ویعلم ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" وان تبدوا فی انفسکم یعنی خدا تمہاری کھلی اور چھپی باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے دل کی باتیں جانتا ہے۔ تم اپنے دل کی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ خدا اُس بات پر تمہیں ضرور پکڑیگا۔ اور نسیان کا اُس پر احتمال نہیں تو اُسکے لئے یادداشت لکھنے کے کیا معنی ہیں پھر فرشتوں کے لکھنے سے کیا مراد ہے اور اعمال تو اعراض ہیں وہ ترازو سے کیونکر تولے جاسکتے ہیں اُنکی شدت اور خفت کا کیونکر اندازہ ہو سکتا ہے تو اِن آیات کی حقیقت پر زیادہ غور کرنی واجب ہوئی اور مطابق سیاق قرآن مجید کے اور دیگر آیات کے اشارات سے ثابت ہوا کہ جو کچھ اِن آیتوں میں بیان ہوا ہے وہ تمثیلی ہے۔

ہم نے قرآن مجید کی تفسیر میں روح کے وجود پر مستوعب دلیلیں بیان کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہی قایم بالذات اور وہ ایسے مادّے میں جو اُسکی قابلیت رکھتا ہو داخل ہو جاتی ہے اور تمام حیوانوں اور انسانوں میں وہی باعثِ تعقل و ارادہ ہے۔

اِس بات کو بھی ہم نے ثابت کیا ہے کہ روح کاسب اور مکتسب ہے اور بذریعہ جسم انسانی کے جب وہ اُسمیں شامل ہوتی ہے سعادت اور شقاوت کا اکتساب کرتی ہے۔

اسوقت دنیا میں بہت لوگ ہیں جو نہایت نیک ہیں اور اخلاق حمیدہ اور صفاتِ پسندیدہ اپنے میں رکھتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو نہایت بد ہیں اور اخلاق و خصائل ذمیمہ اپنے میں رکھتے ہیں اور اِن اخلاق حمیدہ اور خصائل رذیلہ کا اثر اُنکے اعضا میں سے کسی عضو میں نہیں ہوتا بلکہ اُس چیز میں ہوتا ہے جسکو روح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر وہ اثر اعضا میں ہوتا تو کسی عضو کے ضائع ہونے سے

پھر نافرمانی کی اُسنے اپنے پروردگار کے حکم سی کیا پھر تم پکڑتے ہو اُسکو اور اُسکی ذریت کو دوست میرے سوا

اخلاق میں کچھ کمی ہوجاتی حالانکہ کچھہ کمی نہیں ہوتی اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گوشت پوست اعضا کے سوا جو اور کوئی چیز انسان میں ہے اس میں اخلاق اور رذائل مستقر ہوتے ہیں۔

علاوہ اسکے انسان کے اعضا اُسکی ہڈیاں اُسکا گوشت پوست تبدیل ہوتا رہتا ہے اگر انسان کا جسم اخلاق حمیدہ یا خصائل رذیلہ کا محل ہوتا تو وہ بھی تبدیل ہوتے رہتے پس کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ روح جو انسان میں ہے وہی کاسب اور مکتسب اور محل علم و اخلاق ہے نہ انسان کا جسم اور نہ کوئی عضو اعضاے انسان میں سے۔

کسب و اکتساب کے معنی ہیں کسی چیز کو کسی ذریعہ سے حاصل کرلینا۔ قرآن مجید میں بھی یہ الفاظ یا اُنکے مشتقات بہت جگہہ آئے ہیں اور اُسی بھلائی یا بُرائی کی نسبت بولے گئے ہیں جسکو انسان نے حاصل کرلیا ہے جیسا کہ ایک جگہہ فرمایا ہے "تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت" یعنی وہ قوم چل بسی جو اُنہوں نے کیا تھا اُنکے لئے ہے اور جو تم کرتے ہو تمہارے لئے ہے اُسی کو ملتا ہے جو کیا اور اُسی پر پڑتا ہے جو کمایا۔ غرضکہ اعمال و افعال کا اثر فی الفور انسان کی روح پر پڑتا ہے اور وہی کتابت اعمال ہے۔

جب تک روح بدن انسانی میں شاغل ہے اُسوقت تک اُسکو اُن اثرات کے جو اُس نے کمائے ہیں نتیجے محسوس نہیں ہوتے۔ مگر جب وہ بدن سے الگ اور مجرد عن العلائق ہوجاتی ہے اُسوقت اُسکو اپنے کمائے ہوئے اثرات کے نتائج اچھے یا بُرے محسوس ہوتے ہیں جنکو اعمال کی سزا اور جزا سے تعبیر کیا ہے۔

پس اعمال نیک یا افعال بد کے جو اثرات روح انسانی میں مستقر ہوتے ہیں اُنکو خدا تعالیٰ نے کتابت کراماً کاتبین کی مثال میں بیان کیا ہے اور وہی ذریعہ ہیں نیکی اور بدی کی مقدار ظاہر ہونے کا جو نتیجہ ہے میزان اور موازنہ کا۔ اسلئے وزن اعمال کی مثال سے تعبیر کیا ہے اور اس بات کو جتلایا ہے کہ قیامت میں کسی کے ساتھ ظلم نہیں کیا جاویگا ولہذا قال فی موضع "ونضع الموازين القسط" فالقسط هو العدل وموازين القسط هو العدل كما يقال الموازين هو العدل والميزان

وَهُوَ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ﴿۴۸﴾ مَا أَشْهَدْتُهُمْ

هوالعدل۔

یہ راے صرف میری ہی نہیں ہے بلکہ حکماے اسلام کی بھی یہی راے ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہی کہ

وقول حكماء الاسلام ان الكتابة عبارة عن نقوش مخصوصة وضعت بالاصطلاح لتعريف المعاني المخصوصة فلو قدرنا كون تلك النقوش دالة على تلك المعاني لاعيانها وذواتها كانت تلك الكتبة اقوى واكمل اذا ثبت هذا فنقول ان الانسان اذا اتى بعمل من الاعمال مرات وكرات كثيرة متوالية حصل في نفسه بسبب تكررها ملكة قوية راسخة فان كانت تلك الملكة ملكة سارة بالاعمال النافعة في السعادات الروحانية عظم ابتهاجه بها بعد الموت وان كانت تلك الملكة ضارة في الاحوال الروحانية عظم ضرره بها بعد الموت اذا ثبت هذا فنقول ان التكرير الكثير لما كان سببا لحصول تلك الملكة الراسخة كان لكل واحد من الاعمال المتكررة اثر في حصول تلك الملكة الراسخة وذالك الاثر وان كان غير محسوس الا انه حاصل في الحقيقة واذا عرفت هذا ظهر انه لا يحصل للانسان لمحة ولا حركة ولا سكون الا ويحصل في جوهر نفسه اثر من اثار السعادة او اثار الشقاوة قل او كثر فهذا هو المراد من كتبة الاعمال عند هولاء والله اعلم

حکماے اسلام کا قول یہ ہے کہ کتابت اُن خاص نقوش سے مراد ہی جو خاص معانی کے بتانیکے لئے اصطلاحاً بنائے گئے ہیں اگر ہم اس بات کا اندازہ کریں کہ وہ نقوش معانی کی حقیقت اور ذات پر دلالت کرتی ہیں تو وہ کتابت (کتابت اعمال) نہایت کامل اور نہایت قوی ہوگی جب یہ بات معلوم ہو چکی تو اب ہم کہتے ہیں کہ انسان جب کسی کام کو بہت دفعہ بار بار اور پے درپے کرتا ہے تو اُس کام کے بار بار کرنے سے اُسکے نفس میں ایک قوی اور مضبوط ملکہ پیدا ہوجاتا ہے پھر وہ ملکہ اگر ایسے اعمال کے سبب سے جن سے روحانی سعادت حاصل ہوتی ہے خوشی پیدا کرنیوالا ہے تو مرنے کے بعد اسکے سبب سے بے انتہا خوشی حاصل ہوگی اور اگر وہ ملکہ روحانی حالات میں تکلیف دینے والا ہے تو مرنے کے بعد اُسکے سبب سے بے انتہا رنج ہوگا۔ جب یہ بات معلوم ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ چونکہ عملوں کا بہت دفعہ بار بار اور پے درپے کرنا اُس ملکۂ راسخہ کے پیدا ہونے کا سبب تھا اس لئے اُس ملکہ راسخہ کے پیدا ہونے میں ہر مکرر عمل نے

اور وہ تمہارے لئے دشمن ہے بُرا ہے ظالموں کے لئے بدلا (۴۸) میں نے انکو موجود نہیں کیا تھا وقت

بحقائق الامور (تفسیر کبیر جلد رابع صفحہ ۱۵)	اثر کیا تھا اور یہ اثر اگرچہ غیر محسوس تھا مگر فی الحقیقت موجود تھا۔ جب یہ بات بھی معلوم ہو چکی تو صاف

ظاہر ہو گیا کہ انسان کا کوئی اشارہ کوئی حرکت اور کوئی سکون ایسا نہیں ہے جس سے سعادت یا شقاوت کا کم و بیش اثر انسان کے نفس پر نہ ہوتا ہو۔ حکماء اسلام کے نزدیک کتابتِ اعمال سے یہی مراد ہے۔ وھو الحق عندنا فجزاھم اللہ خیر الجزا۔

اب ہمکو یہ بتانا ہے کہ اگر کتابت اعمال سے وہ اثر مراد ہیں جو اعمال نیک اور بد سے نفس انسانی پر منقش ہوتے ہیں تو قرآن مجید میں جو یہ بات آئی ہے کہ اعمال نامے لوگوں کے دائین ہاتھ میں اور بائین ہاتھ میں اور پیٹھ کے پیچھے دئے جاوینگے اُس سے کیا مراد ہے۔ یہ مضمون مندرجہ ذیل آیتوں میں بیان ہوا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں خدا نے فرمایا ہے کہ جس دن ہم بلاوینگے ہر فرقہ کے لوگوں کو اُنکے پیشواؤں سمیت

یوم ندعوا کل اناس باما مھم فمن اوتی کتابہ فاولئک یقرءون کتابھم ولا یظلمون فتیلا۔ (بنی اسرائیل ۷۳)	پھر جس شخص کے دائین ہاتھ میں اُسکی کتاب یعنی اعمالنامہ دیا جاویگا تو وہ لوگ پڑھ لین گے اپنی کتاب یعنی اعمالنامہ۔ اور نہ ظلم کئے جاوینگے تاگے

کے برابر۔

اور سورہ انشقاق میں خدا نے فرمایا ہے کہ تمام انسان خدا سے ملنے والے ہیں پھر جس شخص کے

فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا و ینقلب الی اھلہ مسرورا و اما من اوتی کتابہ وراء ظھرہ فسوف یدعوا ثبورا و یصلی سعیرا انہ کان فی اھلہ مسرورا۔ انہ ظن ان لن یحور بلی ان ربہ کان بہ بصیرا (انشقاق ۷تا۱۵)	دائین ہاتھ میں اُسکی کتاب یعنی اعمال نامہ دیا جاویگا تو اُس سے بہت تہوڑا سا حساب کیا جاویگا اور وہ پھرے گا اپنے لوگوں میں خوش مگر جس شخص کو اُسکی پیٹھ پیچھے اُسکی کتاب یعنی اعمال نامہ دیا گیا تو وہ پہونچے گا ہلاکت کو اور دوزخ میں جاویگا اور بیشک

خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۴۹﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۰﴾

وہ اپنے لوگوں میں خوش تہا اور اُسکو گمان نہ تہا کہ وہ خدا کے پاس جاویگا۔ یون نہ تہا جو وہ سمجھا تھا۔ بیشک اُسکا پروردگار اُسکے کاموں کو دیکھنے والا تہا۔

سورہ الحاقہ میں خدا نے انسانوں کو مخاطب کرکے فرمایا ہے کہ جسدن تم خدا کے سامنے کیئے جاؤگے تو تمہاری کوئی بات چھپی نہیں رہیگی پس جس شخص کے دائین ہاتھ میں اُسکی کتاب یعنی اعمالنامہ دیا جاویگا تو کہے گا کہ لو پڑہو میرے اعمالنامہ کو مشک میں جانتا تہا کہ مجھسے حساب ہوگا۔

يومئذ تعرضون لا تخفى منكم خافية فاما من اوتى كتابه بيمينه فيقول هاؤم اقرؤا كتابيه انى ظننت انى ملاق حسابيه (الحاقه ۱۸-۱۹)

پس جس شخص کے بائین ہاتھ میں اُسکی کتاب یعنی اعمال نامہ دیا جاویگا تو کہے گا کہ کاش یہ اعمال نامہ مجھکو نہ دیا جاتا اور اپنے حساب کو نہ جانتا۔ کاش میری موت ہی فیصلہ کردیتی۔

واما من اوتى كتابه بشماله فيقول ياليتنى لم اوت كتابيه ولم ادر ما حسابيه ياليتها كانت القاضيه (الحاقه ۲۵-۲۷)

تفسیر کبیر میں اس آیت کے متعلق ایک عجیب روایت لکہی ہے اگرچہ ہم اُسکو تسلیم نہیں کرتے مگر اس مقام پر اُسکا لکہدینا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے۔

ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن آدمی لایا جائیگا اور اُسکا نامۂ اعمال بہی لایا جائیگا پہر اُسکی نیکیاں اُسکے ہاتہ کی پشت پر لکہی جائینگی۔ اور اُسکی بدیاں اُسکی ہتیلی پر

روى ابو هريرة انه عليه السلام قال ان الرجل يؤتى به يوم القيامة ويؤتى كتابه فتكتب حسناته

پیدا کرنے آسمانوں اور زمین کے اور نہ بروقت اُنکے خود پیدا کرنے کے اور میں نہیں ہوں لینے والا گمراہ کرنیوالوں کو بطور بازو کے (یعنی مددگار) (۴۹) اور جسدن کہے گا پکارو میرے شریکوں کو جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے تو وہ پکارینگے پھر وہ اُنکو کچھ جواب نہ دینگے اور ہم کر دینگے اُنمیں اور اُنکے درمیان میں ایک مہلک خندق (۵۰)

فی ظهر کفه وتکتب سیئاته فی بطن کفه فینظر الی سیئاته فیحزن فیقال له اقلب کفك فینظر فیه فیری حسناته فیفرح ثم یقول هاؤم اقرؤا کتابیه انی ظننت عند النظرة الاولی انی ملاقٍ حسابیه علی سبیل الشدة واما الآن فقد فرج الله عنی ذلك الغم (تفسیر کبیر جلد سادس صفحہ ۳۴۹)

لکھی جائینگی وہ اپنی بدیوں کو دیکھکر غمگین ہوگا اس سے کہا جاویگا کہ اپنا ہاتھ اولٹا کرو۔ اور وہ ہاتھ کی دوسری طرف اپنی نیکیاں دیکھکر خوش ہوگا پھر کہیگا لو پڑھو میرے اعمال نامے کو میں پہلی دفعہ دیکھکر سمجھا تھا کہ مجھسے نہایت سختی کے ساتھ حساب ہوگا مگر اب خدانے میرا سارا غم دور کر دیا۔

جسطرح اعمال ناموں کا لکھا جانا تمثیلاً بیان کیا ہے اسی طرح اُنکا دائیں اور بائیں ہاتھ میں دیا جانا تمثیلاً بیان ہوا ہے۔ دایاں ہاتھ جوکہ اشرف گنا جاتا ہے اُسمیں اچھے اعمال ناموں کا دیا جانا تمثیلاً بیان کیا ہے اور بایاں ہاتھ جو اشرف نہیں سمجھا جاتا اُس میں بُرے اعمال ناموں کا دیا جانا تمثیلاً بیان کیا ہے۔ اب ہم اُن آیتوں کو بیان کرتے ہیں جن میں اعمال نامے کے لفظ کو چھوڑ دیا گیا ہے اور اُنمیں صرف اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کے الفاظ ہیں۔

خدا تعالیٰ نے سورہ واقعہ میں کئی جگہہ اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کا ذکر کیا ہے۔

ایک جگہہ فرمایا ہے کہ "واصحاب الیمین ما اصحاب الیمین" یعنی داہنے ہاتھ والے کون ہیں وہ داہنے ہاتھ والے ہیں وہ جنت میں ہیں۔

اور دوسری جگہہ فرمایا ہے "واصحاب الشمال ما اصحاب الشمال" یعنی بائیں ہاتھ والے۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۲﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ

کون ہیں وہ بائیں ہاتھ والے ؟ وہ جو دوزخ میں ہیں۔

اور ایک جگہہ فرمایا ہی کہ اگر وہ ہی داہنے ہاتھ والوں میں سے تو داہنے ہاتھ والوں کیطرف سے تجھکو سلام اور اگر وہ ہی جھٹلانے

واما ان کان من اصحاب الیمین فسلام لک من اصحاب الیمین واما ان کان من المکذبین الضالین فنزل من حمیم وتصلیة جحیم (سورۃ الواقعہ ۸۹-۹۴)	والوں گمراہوں میں سے تو اسکی دعوت ہے گرم پانی سے اور اسکو جلنا ہے دوزخ میں۔ اس آیت میں اصحاب الشمال کی جگہہ "المکذبین الضالین" کا لفظ آیا ہے جس سے

ظاہر ہوتا ہے کہ اصحاب الشمال صرف ایک تمثیل ہی کافروں کے لئے۔

اور سورہ بلد میں خدا تعالی نے فرمایا ہے۔ پھر وہ ہو گیا ایمان والوں میں سے جنہوں نے

ثم کان من الذین آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة۔ اولئك اصحاب المیمنة والذین کفروا بایاتنا هم اصحاب المشأمة علیهم نار موصدة (البلد ۱۷-۲۰)	ایک دوسرے کو صبر و تحمل کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو خلق اللہ پر شفقت کرنے کی نصیحت کی وہی اصحاب میمنہ ہیں اور جن لوگوں نے انکار کیا ہماری نشانیوں

سے وہ ہیں اصحاب مشأمہ انکو آگ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

اس آیت میں بجائے الفاظ "اصحاب الیمین" کے "اصحاب المیمنة" فرمایا ہے جسکے معنی ہیں نیکبختی والے اور بجائے الفاظ "اصحاب الشمال" کے "اصحاب المشئمة" فرمایا ہے جسکے معنی ہیں بدبختی والے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی نسبت کہا گیا تھا کہ انکے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ

اور دیکھینگے گنہگار آگ کو اور گمان کرینگے کہ وہ اُسمین گرنیوالی ہیں اور نہ پاوینگے اُس سے کوئی جگہہ بچنے کی (۵۱) اور بیشک ہمنے طرح طرح سے بیان کی اس قرآن میں لوگون کیلئے طرح سے مثال اور ہے انسان زیادہ سب چیز سے جھگڑنیمیں (۵۲) اور نہیں منع کیا لوگون کو اس سے کہ ایمان لاویں جبکہ آئی اُنکے پاس ہدایت اور بخشش مانگین اپنے پروردگار سے مگر یہ کہ

ہوگا اور جن کی نسبت کہا گیا تھا کہ اُنکی بائین ہاتھ میں اعمال نامہ ہوگا وہی اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال تھے اور جو اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال تھے وہی اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ پہلی آیتون میں بیان ہوا تھا وہ صرف تمثیل تھی۔

جس طرح اعمال نامون کا داہنے ہاتھ میں اور بائین ہاتھ میں دیا جانا تمثیلاً بیان کیا ہے اسیطرح اُن اعمال نامونکا کھولا جانا بھی تمثیلاً بیان ہوا ہے جہان خدا نے سورۂ التکویر کی دسوین آیت میں فرمایا ہے۔ "واذا الصحف نشرت" یعنی جسوقت کہ اعمال نامے کھولے جاوینگے۔ اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے کہ ہمنے ہر انسان کی گردن سے اُسکی شامت عمل کو وابستہ کر دیا ہے اور ہم قیامت کے دن اسکے

اعمال نامہ کو ظاہر کرینگے وہ اُسکو کھلا ہوا پایگا پڑھ اپنے اعمال نامے کو آج تو خود ہی اپنا حساب لینے والا ہے۔	یوم القیمۃ کتابا یلقاہ منشورا وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ ونخرج لہ اقرا کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا (بنی اسرائیل ۱۴-۱۵)

جو کہ کھلے ہوئے کاغذ کو دیکھنے سے جو کچھ اُس میں لکھا ہوا ہے انسان کو اسپر یقین آجاتا ہے اسی یقین کے ظاہر کرنیکو حضرت اللہ تعالیٰ نے تمثیلاً اعمال نامہ کا کھولا جانا بیان کیا ہے۔

اب ہم ایک اور آیت کا ذکر کرتے ہیں جس میں اصحاب الیمین کا لفظ ہے مگر کسیطرح وہ الفاظ اُن پر صادق نہیں آسکتے جنکے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا ہو اور وہ آیت سورہ مدثر کی ہے جہان

خدا نے فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنے کئے کی	کل نفس بما کسبت رھینۃ الا اصحاب الیمین (مدثر-۴۱)

تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٣﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنذِرُوا هُزُوًا ﴿٥٤﴾

کے ساتھ گروی ہے مگر اصحاب یمین۔ اصحاب یمین سے مراد بعض لوگوں نے مسلمان لئے ہیں اور بعض نے اُن سے مراد لی ہے جو حضرت آدم کے داہنے ہاتھ پر تھے اور بعض نے اُن سے مراد لی ہے جنکے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جاوے گا۔ مگر ان میں سے کوئی مراد بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ "بما کسبت رہینۃ" میں تمام انسان داخل ہیں خواہ اُنہوں نے اچھے کام کئے ہوں یا بُرے کام کئے ہیں۔ پس کسی کا استثنا اُن میں نہیں ہوسکتا اگر ہوسکتا ہے تو صرف اُنھی کا ہوسکتا ہے جو اپنے اعمال کے ساتھ مرہون نہ ہوں اور بجز نابالغ بچوں کے اور کوئی نہیں ہوسکتے اور جو کہ اُنکی اعمال پر بُرے کام اور اچھے کام کا اطلاق نہیں ہوسکتا اسلئے کوئی اعمال نامہ اُنکے ہاتھ میں نہیں دیا جاوے گا پس صاف ظاہر ہے کہ یہاں اصحاب الیمین سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جنکے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جاوے گا۔

تفسیر کبیر میں حضرت علی مرتضیٰ اور عبداللہ بن عمر کا یہی قول لکھا ہے اور فرا نے جو بہت بڑا نحوی ہے اس قول کی تصدیق کی ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اور ابن عمر اس آیت اصحاب الیمین کے لفظ سے مسلمان بچے مراد لیتے ہیں۔ فرا نے کہا ہے کہ یہ قول نہایت صحیح ہے۔

> قال علی بن ابی طالب علیہ السلام وابن عمر ہم اطفال المسلمین قال الفراء وہو اشبہ بالصواب (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۴۰۳)

اب ہم دو آیتیں قرآن مجید کی اور نقل کرتے ہیں جن سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ خدا نے جو کچھ تمثیلاً بیان کیا تھا اُسکی حقیقت کیا ہے۔

خدا تعالیٰ سورہ حدید میں فرماتا ہے۔ کہ جسدن تو دیکھے گا مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو

آوے اُنکے پاس طریقہ اگلے لوگون کا یا آوے اُنکے پاس عذاب سامنے سی (۵۳)

اور نہین بھیجا ہمنے رسولونکو مگر خوشخبری دینے والے اور ڈرانیوالے۔ اور جھگڑتے ہیں

وہ لوگ جو کافر ہوے جھوٹی باتون سے تا کہ ڈگمگاوین اُس سے حق بات کو اور اُنھون

نے پکڑا ہماری نشانیون کو اور اُس چیز کو جس سے ڈرائی گئی تھے ٹھٹھا (۵۴)

یوم تری المؤمنین والمؤمنات یسعی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم بشریٰکم الیوم جنات تجری من تحتھا الانھر خالدین فیھا ذالک ھو الفوز العظیم (حدید۔ ۱۲)	کہ اُنکی روشنی اُنکے آگے اور اُنکے داہنے ہاتھ چلتی ہے۔ خوشخبری ہو تمکو۔ آج تمہارے لئے باغ ہیں جنکے نیچے نہرین بہتی ہیں جن میں سدا

رہیں گے۔ یہی بڑی مراد ملنی تھی۔

دوسری جگہہ خدا تعالی سورہ تحریم میں فرماتا ہے کہ جس دن خدا اپنے نبی کو ذلیل کریگا تو اُنکو جو

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا (تحریم۔ ۸)	اُسکے ساتھ ایمان لائے اُنکی روشنی اُنکے آگے اور اُنکے داہنے ہاتھ دوڑتی ہوگی اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہمکو ہماری

کامل روشنی عطا فرما۔

اِسکی مثل ایک آیت سورہ ہود میں ہے جہان خدا نے فرمایا ہے کہ انسانون میں کوئی بدبخت

فمنھم شقی وسعید فاما الذین شقوا ففی النار لھم فیھا زفیر وشھیق خالدین فیھا واما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیھا (ھود۔ ۱۰۹-۱۱۰)	ہے اور کوئی نیک بخت جو لوگ بدبخت ہیں وہ دوزخ میں چیختے چلاتے ہونگے اور اُسمیں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو نیک بخت ہیں وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِس سے زیادہ اور کیا اِس بات کا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اعمال نامون کا لکھا جانا اور اُنکا تولا

جانا اور نیک بندون کے دائین ہاتھ میں اعمال نامہ کا دیا جانا اور بد لوگون کے بائیں ہاتھ میں

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا (۵۵) وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا (۵۶) وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا (۵۷) وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓي اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا (۵۸) فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا

اعمال نامہ کا دیا جانا یا پیٹھ کے پیچھے سے دیا جانا اور اعمال ناموں کا کھلنا یا منتشر ہونا یہ سب تمثیلین ہیں اور حقیقت صرف اسقدر ہے کہ نور ایمان قیامت کے دن ایمان والوں کے ساتھ ہوگا اور اُنکی پاک روحین علانیہ اُن نیک افعال کے نتیجوں کو ظاہر کرینگی جوکہ اُنھوں نے دنیا میں کیے تھے اور بدکاروں کی روحیں اُن بداعمالیوں کے نتیجوں کو ظاہر کرینگی جو دنیا میں اُن سے ظاہر ہوئی تھیں۔ فمن شاء فلیومن علے ظواھر اٰیات القراٰن ومن شاء فلیومن علے بواطنھا وحقائقھا ولاریب فی انّھا ھی حقیقۃ الاسلام وقد نفقتہا اللہ فی روعی فللہ الحمد۔

(۵۹) اِس آیت کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے ہمکو کچھ حال حضرت موسیٰ کا بیان کرنا چاہیئے واضح ہو کہ جب موسیٰ فرعون کے محل میں پرورش پاکر تعلیم کے قابل ہوئے تو اُنھوں نے نہت اعلیٰ درجہ کی تعلیم پائی تھی۔ اصل شہر جس میں فرعون کا پایۂ تخت تھا اُسکا نام رعمسیس تھا اور اُس سے تھوڑی

اور کون ہے زیادہ ظالم اُس شخص سے جو نصیحت دیا گیا تھا اپنے پروردگار کی نشانیوں سے پھر مونہہ پھیر لیا اُس سے اور بھول گیا جو کچھ آگے بھیجا ہے اُسکے ہاتھوں نے بیشک ہمنے ڈالدیا ہے اُنکے دلوں پر ڈھکنا کہ اُسکو سمجھ سکیں اور اُنکے کانوں میں ٹھینٹی (۵۵) اگر تو اُنکو بلاوے ہدایت کیطرف تو ہرگز نہ ہدایت پاوینگے اُسوقت کبھی (۵۶) اور تیرا پروردگار بخشنے والا ہے رحمت والا اگر اُنکو پکڑے بسبب اُسکے جو اُنہوں نے کمایا ہے تو البتہ جلد بھیجے اُنکے لئے عذاب بلکہ اُنکے لئے وعدہ ہے کہ نپاوینگے اُسکے سوا پناہ (۵۷) اور یہ بستیاں کہ ہمنے اُنکو ہلاک کیا جب اُنہوں نے ظلم کیا اور ہمنے مقرر کی اُنکی ہلاک کرنیکو ایک میعاد (۵۸) اور جسوقت کہا موسی نے اپنے جوان کو کہ میں برابر چلا جاؤنگا یہانتک کہ میں پہونچوں مجمع البحرین کو یا چلا چلوں میں مدت درازتک (۵۹) پھر جب دونوں پہونچے۔

دور ایک اور شہر تھا اُس کا نام تھا ہیلیو پولس (یعنی مدینۃ الشمس) اُس شہر میں ایک بہت بڑی یونیورسٹی تھی اور تمام علوم کی اُس میں تعلیم ہوتی تھی اور حضرت موسیٰ نے نہایت اعلیٰ درجہ کے علوم تک اُس یونیورسٹی میں تعلیم پائی تھی۔ اِس کا مختصر ذکر اعمال حوارین میں بھی ہے جسکو ہم نے ابھی نقل کیا ہے علاوہ اسکے ڈاکٹر ولیم اسمتھ نے قدیم کتابوں سے ڈکشنری آف بائبل میں اُسکا مفصل حال لکھا ہے جسکا بعینہ ترجمہ ہم لکھتے ہیں۔

اُس میں لکھا ہے کہ "اُسوقت سے بہت برسوں تک موسیٰ کو باشندہ مصر خیال کرنا ضرور ہے۔ توریت میں اس زمانہ کا کچھ ذکر نہیں ہے مگر عہد جدید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ تعلیم یافتہ تھے اور اُنہوں نے مصریوں کی ساری حکمت میں تربیت پائی اور قول اور فعل میں بڑے لایق تھے (اعمال باب ۷ آیت ۲۲) مفصلہ ذیل مختصر احوال یہودی اور مصری روایات کا ہے جس سے کہ اِس مقدس مصنف کے (اُس زمانہ کے) جو حالات معلوم نہیں ہیں معلوم ہوتے ہیں اُنکی تعلیم ہیلیو پولس میں ہوئی تھی (تصنیفات اسٹرابو سے مقابلہ کرو باب ۱۷ فقرہ اول) اور وہاں بطور مقدس قوہن کے جہاں کہ اُنکا

نَسِیَا حُوْتَھُمَا

مصری نام اوسارسف یا اُسی تھا۔ پرورش پائی حسب رائے منیتھو (جو قدیم مورخ ہے) لفظ اوسارسف مشتق ہے اوسائرس سے جو ایک مصری معبود کا نام تھا اور اوسارسف کے معنی یہ ہیں جس کو اوسائرس نے بچایا ہو۔ حضرت موسیٰ کو کل سلسلہ یونانی، کالڈی اور اسیرین لٹریچر کا پڑھایا گیا تھا۔ مصریوں سے اُنہوں نے میتھی میٹکس سیکھا تاکہ اُنکا ذہن بلاتعصب صدق کے قبول کرنے کے قابل ہو۔ اُنہوں نے کشتیاں اور تعمیر کے اوزار اور نیز آلات حرب اور پانی کی کلیں اور حرف جو تصویروں کی صورت میں لکھے جاتے تھے اور زمین کی قسموں کو ایجاد کیا۔ اُنہوں نے ارفیوس کو تعلیم دی اور اسوجہ سے یونانی حضرت موسیٰ کو موسیس کہنے لگے اور مصری ہرمیز (ہرمس) کہنے لگے۔ اُنہوں نے علم صرف ونحو یہودیوں کو سکھایا اور وہاں سے وہ علم فنیشیا اور یونان میں پہونچا۔ حضرت موسیٰ کو ایک مہم پر جو بخلاف جشیوں کے تھی بہیجا گیا تھا اور اُنہوں نے اُس ملک کے سانپوں کو اسطرح پر معدوم کیا کہ ملک بھر میں کھانچے بھر بھر کر پرندمار خور جانور چھوڑ دئے اور شہر ہرمو پولیس بطور یادگار اپنی فتح کے آباد کیا پھر وہ شہر سبا کی طرف جو ایتھوپیا کا دارالخلافت تھا روانہ ہوئے اور اس شہر کا نام اپنی متبنّی کرنیوالی ماں مسمیٰ مرہس کے نام پر میرو رکھا اور اسی جگہ حضرت موسیٰ نے انکو دفن کیا۔ بادشاہ ایتھوپیا کی بیٹی مسمیٰ تھاربیس کو اُن سے تعشق ہو گیا تھا اور حضرت موسیٰ معہ اُس لڑکی کے بطور اپنی بی بی کے خوش وخورم مصر کو واپس آئے۔"

(ڈکشنری آف دی بائبل مصنفہ ڈاکٹر ولیم اسمتھ۔ جلد ۲ صفحہ ۴۲۵۔ ۴۲۶)

حال میں جو احمد آفندی نجیب نے قدیم مصر کی تاریخ لکھی ہے اُس میں بھی اِس شہر کا ذکر کیا ہے۔

"وہ لکھتا ہے کہ عین الشمس کا قدیم نام "ان" ہے اور یہ مصریون کا قدیم مقدس شہر تھا اور وہاں اُنکے دیوتا "رع" (آفتاب) کا مندر تھا اور اِس شہر میں ایک یونیورسٹی تھی جسکی شہرت کے سبب سے سولون جو یونان کا مقنن تھا اور افلاطون اور فیثاغورس علم کی تحصیل کے لئے اِس یونیورسٹی میں داخل ہوئے تھے اور رعمسیس ثالث کے زمانہ میں جو بیسوین شاہی خاندان کا بادشاہ تھا ایک مندر میں بارہ ہزار طالب علم تعلیم پاتے تھے"

(الاثر الجلیل لقدماء وادی النیل صفحہ ۳۴)

جگہہ جمع ہوئی اُن دونوں (یعنی بحرین) کی بھول گئی اپنی مچھلی کو

اِس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ شہر مدینۃ الشمس یا عین الشمس میں رہتے تھے اور وہان سے شہر رعمسیس میں آئے اور اُسی شہر میں اُس شخص کو گھونسا مار کر مارڈالا جس کا ذکر قرآن مجید کے سورہ قصص میں ہے۔

سورہ قصص میں یہ بھی ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ کو ایک شخص نے خبر دی کہ وہانکے سرداروں کا اُنکو مار ڈالنے کا ارادہ ہے اسلئے وہ وہان سے بھاگ گئے۔ اور سفر خروج باب ۲ ورس ۱۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ مدین میں جانیکا اُنھوں نے ارادہ کیا۔ جبکہ وہ وہان سے بھاگے ہیں اسوقت کا ذکر اِس آیت میں ہے اور بھاگنے کے وقت ایک شخص اُنکے ساتھ ہولیا۔ قرآن مجید سے تو معلوم نہیں ہوسکتا کہ یہ کون شخص تھا صرف اتنا قیاس ہوسکتا ہے کہ جس شخص نے آنکر حضرت موسیٰ کو خبر دی تھی کہ تمھارے مار ڈالنے پر مشورہ ہوا ہے وہی حضرت موسیٰ کے ساتھ ہولیا جبکہ وہ رعمسیس سے نکل گئے، مگر تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ وہ شخص یوشع تھے یا یوشع کے بھائی اور یہ بات ممکن ہے کیونکہ جب حضرت موسیٰ رعمسیس سے نکلے ہیں تو یوشع کی عمر موجب توریت کے بائیس برس کی تھی اور قفال اور عمرو بن عبید کا قول ہے کہ وہ شخص حضرت موسیٰ کا غلام تھا۔

قرآن مجید میں جو یہ لفظ ہیں "لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین" یعنی جب تک دو سمندروں کے ملنے کی جگہہ تک پہونچوں پس یہ بات دریافت کرنی ہے کہ مجمع البحرین سے کونسی جگہہ مراد ہے۔ تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ بحر فارس اور بحر روم جس مقام پر آپس میں ملے ہیں وہ مقام مجمع البحرین ہے مگر یہ صریح غلطی ہے اِس واسطے کہ بحر فارس اور بحر روم نہ کسی جگہہ آپس میں ملے ہیں اور نہ مل سکتے تھے رڈسی یعنی بحر قلزم کی دو شاخیں نکلی ہیں ایک شرقی ہے اور ایک غربی۔ پھر وہ دونوں شاخیں آپس میں ملی ہیں۔ اس زمانہ میں شرقی شاخ کو گلف آف اکابہ یعنی خلیج عقبہ اور غربی شاخ کو گلف آف سوئز یا خلیج سویس کہتے ہیں۔ جہان یہ دونوں شاخیں باہم ملی ہیں اُس مقام کو مجمع البحرین کہا گیا ہے۔ اِن دونوں شاخوں کے بیچ میں بہت سے پہاڑ ہیں اور اُس زمانہ میں جنگل ہوگا اور عام طور پر وہ رستہ چلتا نہ ہوگا۔ اُسکا ثبوت قرآن کے ان لفظون سے نکلتا ہے "فارتدا علی اثارھما قصصا" یعنی جب حضرت موسیٰ اور اُنکا ساتھی جوان مجمع البحرین

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦١﴾

سے چلے اور معلوم ہوا کہ مچھلی نہیں ہے تو پھر وہ اپنے پاؤں کے نشانات ڈھونڈھتے ہوئے واپس آئے اِس سے صاف پایا جاتا ہے کہ عام رستہ نہیں تھا بلکہ جنگل تھا جس کے سبب اُنکو اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس آنا پڑا۔

حضرت موسیٰ جب رعمسیس سے بھاگے ہین تو اس خیال سے کہ تعاقب کر کے لوگ پکڑ نہ لیں وہ عام رستہ اختیار کر نہیں سکتے تھے اس لئے اُنھون نے جنگل کا اجنبی رستہ اختیار کیا اور وہ اس بات کو جانتے تھے کہ جب مجمع البحرین پہونچ جائینگے تو وہان سے مدین کا رستہ جہان اُنکو جانا منظور تھا آسانی سے مل جائیگا۔ اِسی لئے اُنھون نے کہا ”لا ابرح حتے ابلغ مجمع البحرین۔“

صوبہ مدین رڈسی یعنی بحر قلزم کی مشرقی شاخ (خلیج عقبہ) کے دونون طرف واقع ہے جہان کہ مدیانی قوم رہتی تھی اور خاص شہر مدین خلیج عقبہ کے مشرقی کنارہ پر واقع تھا۔ ان تمام حالات سے جو جغرافیہ سے معلوم ہوتے ہیں بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ رڈسی کی ایک شاخ کے جنگل کے کنارے ہو کر وہان پہونچے جہان دونون شاخین رڈسی کی ملتی ہین اور جسکو مجمع البحرین کہا ہے اور وہان سے مدین کو چلے گئے۔

(٦٠) مچھلی کی نسبت بہت سی دور از کار روایتین کتب تفاسیر وغیرہ میں لکھی ہیں اصلی حقیت صرف اتنی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ کے پاس کوئی کھانے کا سامان موجود نہیں تھا وہ سراسیمگی کی حالت میں شہر سے بھاگے تھے جب وہ مجمع البحرین پر پہونچے تو اُنھوں نے ایک مچھلی پکڑی اور اُسکو ایک چٹان پر رکھا کیونکہ قرآن مجید میں اس بات کا کہ موسیٰ اپنے ساتھ مچھلی لے کر چلے تھے اور وہ مری ہوئی یا بھنی ہوئی تھی کچھ اشارہ نہیں ہے مگر تھوڑی دیر میں وہ مچھلی تڑپ کر پھر دریا میں جا پڑی جب موسیٰ

پہر پکڑی اُس نے (یعنی مچھلی نے) اپنی راہ دریا میں خشکی سی ﴿۶۰﴾ پہر جب وہ آگے بڑہے تو کہا (یعنی موسیٰ نے) اپنے جوان سی کہ دی ہمکو ہمارے صبح کا کھانا بیشک ہمنے پائی ہے اپنے سفر سے تکلیف ﴿۶۱﴾

وہاں سے چلے تو اُنکو خیال تھا کہ وہ مچھلی ہو گی اُنہوں نے اپنے ساتھی جوان سے کہا کہ ہمارا کھانا لاؤ اُس جوان نے کہا کہ وہ مچھلی تو پھر دریا میں چلی گئی اور اُس کا ذکر کرنا میں تم سے بھول گیا جو کہ جنگل میں اور کچھ کھانیکا سامان نہیں تھا اسلئے حضرت موسیٰ مجمع البحرین کو واپس ہوئے تاکہ پھر کوئی مچھلی کھانیکے لئے وہاں سے پکڑیں۔

مچھلی کے دریا میں چلے جانے کی نسبت قرآن مجید میں یہ لفظ ہیں "اتخذ سبیله فی البحر سربا" سرب کے معنی چلنے کے ہیں۔ مفسرین نے جو اس کے معنی مطابق اُن حدیثوں کے جن میں یہ قصہ بیان ہوا ہے اور جن کو ہم بیان کرینگے اسطرح بیان کئے ہیں کہ مچھلی جب پانی میں گئی تو پانی دونوں طرف ہٹ گیا اور پانی میں طاق یا سرنگ کی صورت بن گئی یہ بیان روایات یہود پر مبنی ہے جسکا کوئی اشارہ قرآن مجید سے نہیں پایا جاتا۔ تفسیر کبیر میں اس آیت کے "اتخذ سبیله فی البحر سربا" یہ معنی لکھے ہیں سرب فی البحر سربا یعنی وہ مچھلی سمندر میں چلی گئی اور الفاظ "اتخذ سبیلہ" کو "سرب" کے قایم مقام بیان کیا ہے جسکا نتیجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

اسکے بعد حضرت موسیٰ کے ساتھی جوان نے جب مچھلی کے سمندر میں چلے جانیکا ذکر کیا تو یوں کہا "واتخذ سبیله فی البحر عجبا" یعنی مچھلی سمندر میں عجیب طرح سے چلی گئی۔ "عجبا" کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ اُس مچھلی نے کوئی عجیب طرح سے سمندر میں رستہ بنایا تھا کسی طرح پر درست نہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ مچھلی کو سمندر میں سے نکال کر پتھر پر ڈال دیا تھا اور یہ سمجھے تھے کہ وہ مر گئی مگر اُس میں جان باقی تھی اور وہ تڑپ کر سمندر میں جا پڑی۔ اسی بات کو موسیٰ کے ساتھی جوان نے عجیب بات سمجھکر کہا کہ "واتخذ سبیله فی البحر عجبا"

اسی قسم کا واقعہ خود مجھ پر گذرا ہے۔ میں نہر سویز کی سیر کرنے کو کشتی پر بیٹھ کر گیا۔ ایک ملاح نے نہر میں سے مچھلی پکڑی اور اُسکو کشتی میں ڈال دیا دو ایک دفعہ تڑپ کر وہ سست ہو گئی ہم سب نے جانا کہ وہ مر گئی ہم سب نہر کی سیر دیکھتے جاتے تھے اور اُس مچھلی کا کچھ خیال نہ تھا تھوڑی دیر بعد وہ مچھلی زور سے تڑپی اور پھر نہر میں جا پڑی اور ہم سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ ایسے واقعات عام طور پر واقع

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ

ہوتے ہیں اور اسی طرح حضرت موسیٰ کو بھی بطور ایک عام واقعہ کے پیش آیا۔

(۶۱) تا (۶۳) جب حضرت موسیٰ مجمع البحرین سے آگے چلے تو حضرت موسیٰ نے اپنے ساتھی جوان سے مچھلی کا پھر دریا میں چلا جانا سُنا تو کہا "ذٰلک ماکنا نبغ" جو کہ مفسرین نے اُن روایات یہود سے جو بعض حدیثوں میں بھی مذکور ہیں یہ سمجھا تھا کہ موسیٰ کو خبر دی گئی تھی کہ جہاں تم مچھلی بھول جاؤ گے وہاں تمکو خضر ملیں گے، اس لئے اُنہوں نے ذٰلک کا مشار الیہ مچھلی کا چلا جانا قرار دیا اور اُسکے معنی یہ سمجھے کہ مچھلی کا چلا جانا وہ امر ہے جسکو ہم چاہتے تھے۔ مگر "ذٰلک ماکنا نبغ" کے معنی صاف ہیں۔ حضرت موسیٰ نے اپنے ساتھی جوان سے کہا کہ "اٰتنا غداءنا" یعنی ہمارا صبح کا کھانا لاؤ اُس نے کہا مچھلی تو دریا میں چلی گئی یعنی صبح کا کھانا جو تم مانگتے ہو نہیں رہا موسیٰ نے کہا کہ "ذٰلک" ای غداءنا ای ماکنا نبغ من غداءنا یعنی صبح کا کھانا یہ ہے جسکو ہم چاہتے تھے ذٰلک کا اشارہ صاف غداءنا کی طرف ہے اُسکا مشار الیہ ایک امر ذہنی بلکہ خیالی کو قرار دینا جسکا ذکر نہ صراحتاً نہ کنایتاً قرآن مجید میں موجود ہے صحیح نہیں ہو سکتا۔

(۶۴) اِس آیت میں جو یہ لفظ ہیں "فوجدا عبدا من عبادنا اٰتیناہ رحمة من عندنا وعلمناہ من لدنا علما" یعنی جب حضرت موسیٰ اور اُنکا ساتھی جوان پھر کر مجمع البحرین پر پہونچے تو اُنہوں نے ایک بندہ کو خدا کے بندوں میں سے پایا جسکو ہم نے اپنی رحمت دی تھی اور ہم نے

رجوان نے) کہا کیا نہیں دیکھا تو نے کہ جب ہم تکیہ لگائے آرام سے بیٹھے تھے پتھر پھر بیشک میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں بھولایا مجکو اُس سے مگر شیطان نے کہ ذکر کرون اُسکا اور پکڑی اُسنے اپنی راہ دریا میں عجب طرح سے (۶۲) موسیٰ نے) کہا یہ ہے جو کچھ کہ ہم چاہتے تھے پہر دونوں پہرے اپنے پاؤنکے نشانون پر ڈہونڈہتے ہوئے (۶۳) پہر انہوں نے پایا ایک بندہ کو ہمارے بندوں میں سے کہ دی تھی ہمنے اُسکو رحمت اپنے پاس سے اور ہمنے اُسکو سکھایا تھا اپنے پاس سے ایک طرح علم (۶۴) کہا

اُس کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا مفسرین اور محدثین کہتے ہیں کہ عبد سے خضر مراد ہیں۔

حضرت موسیٰ کو خضر کے ملنے کی یہہ وجہہ بیان ہوئی ہے کہ حضرت موسیٰ سے اُنکی قوم نے پوچھا کہ سب سے زیادہ کون اعلم ہے موسیٰ نے کہا کہ میں سب سے زیادہ اعلم ہون اسپر خدا خفا ہوا اور خدا نے وحی بھیجی کہ میرا ایک بندہ مجمع البحرین میں تجھ سے زیادہ اعلم ہے مگر اسکا قرآن مجید میں کہیں ذکر نہیں اور کسقدر عجیب بات ہے کہ اس واقعہ کا نہ قرآن مجید میں ذکر ہے اور نہ کہیں خضر کا نام آیا ہے البتہ یہودیوں میں خضر کا نام اور اُنکے قصے تھے۔

قرآن مجید سے صرف اسقدر پایا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ لوٹ کر پھر مجمع البحرین پر آئے تو وہان ایک اور شخص اُنکو ملا۔ ظاہر ہے کہ جس رستہ سے حضرت موسیٰ نے مدین جانیکا ارادہ کیا تھا وہ نہایت اجنبی پہاڑون اور جنگل کا رستہ تھا جسکو طے کرنا بغیر کسی ایسے شخص کے جو رستہ سے واقف نہو نہایت دشوار تھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جو ملا وہ رستہ کا اور اُس نواح کے حالات کا واقف کار تھا اِس لئے حضرت موسیٰ نے اُس سے کہا کہ کیا میں تیری پیروی کرون بشرطیکہ جو بھلائی تجھکو سکھائی گئی ہے مجکو بھی سکھا دے یعنی رستہ بتاتا ہوا لے چلے۔

واضح ہو کہ اب اِس مقام سے قرآن مجید میں صرف انہی دو شخصون کا ذکر ہے اُس جوان کا جو پہلے

لہٗ موسیٰ

سے حضرت موسیٰ کے ساتھ تھا کچھ ذکر نہیں آیا یا تو وہ ساتھ نہیں رہا یا آیندہ کے حالات میں اُسکے ذکر کرنیکی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوئی۔

یہہ شخص جو ملا صاحب موسیٰ کہلاتا ہے اِسکی نسبت علماے متقدمین نے بہت اختلاف کیا ہے اکثر تو کہتے ہیں کہ یہ خضر پیغمبر تھے جو اب تک جیتے ہیں اور جیتے رہینگے اور قیامت کے بورے ہی مٹینگے مگر لوگوں کو دکھائی نہیں دیتے۔ کبھی کسی بھولے بسرے کو راہ بتا دیتے ہیں اور کبھی کسیکو علم لدنی سکھا دیتے ہیں۔

جو لوگ صاحب موسیٰ کو نبی بتاتے ہیں وہ اِس آیت پر استدلال کرتے ہیں "اتیناہ رحمۃ من عندنا و علمناہ من لدنا علما" یعنی جس پر ہمنے اپنی رحمت کی تھی اور ہم ہی نے اپنے پاس سے علم سکھایا تھا" مگر تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ نبوت بلاشک رحمت ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر رحمت نبوت ہو۔

اور تفسیر کبیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ "علمناہ من لدنا" کے الفاظ سے بھی نبوت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ علوم ضروریہ ابتدا میں خدا ہی سے ملتے ہیں۔ پس یہ دلیل نبوت کی نہیں ہے۔

اور تفسیر کبیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ الفاظ جو قرآن میں ہیں "وما فعلتہ عن امری" ان الفاظ سے نبوت پر استدلال کرنا نہایت ضعیف ہے۔ اِسکا نہایت ضعیف ہونا ظاہر ہے اسلئے کہ یہہ کہنا کہ میں نے خدا کی مرضی سے یہ کام کیا ہے یا اپنی مرضی و خواہش سے نہیں کیا عام محاورہ بول چال کا ہے اِس سے اُس شخص کا نبی اور پیغمبر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

بخاری کی تین حدیثوں میں جن میں سے ایک عبداللہ بن محمد المسندی سے اور ایک ابراہیم بن موسیٰ سے اور ایک قتیبہ بن سعید سے مروی ہے ان حدیثوں میں اُس شخص کا نام جو حضرت موسیٰ سے مجمع البحرین پر ملا خضر لکھا ہے مگر وہ اُن وجوہ سے جو آگے بیان ہونگے قابل تسلیم نہیں ہے۔

بخاری میں متعدد جگہہ حضرت موسیٰ کے قصہ کا ذکر ہے مگر چار حدیثیں بہت بڑی ہیں جن میں قریباً

اُس سے موسیٰ نے کہ

یہ تمام قصہ مذکور ہے۔

پہلی حدیث میں عبداللہ بن محمد المسندی۔ سفیان۔ عمرو۔ سعید ابن جبیر۔ ابن عباس۔ ابی ابن کعب راوی ہیں۔

دوسری حدیث میں علی ابن عبداللہ۔ سفیان۔ عمرو بن دینار۔ سعید ابن جبیر۔ ابن عباس۔ ابی ابن کعب راوی ہیں۔

تیسری حدیث میں ابراہیم بن موسیٰ ہشام ابن یوسف۔ ابن جریج۔ یعلی بن مسلم عمرو بن دینار۔ سعید بن جبیر۔ ابن عباس۔ ابی ابن کعب راوی ہیں۔

چوتھی حدیث میں قتیبہ بن سعید۔ سفیان۔ ابن عیینہ۔ عمرو ابن دینار۔ سعید بن جبیر۔ ابن عباس۔ ابی ابن کعب راوی ہیں۔

اِن چارون حدیثون میں ابی ابن کعب اخیر راوی ہیں اور عمرو بن دینار۔ سعید ابن جبیر۔ ابن عباس چارون حدیثوں میں راوی ہیں اور سفیان صرف پہلی اور دوسری اور چوتھی حدیث میں اور چارون حدیثون میں ابن عباس نے ابی ابن کعب سے روایت کی ہے۔

مگر ان حدیثون میں جو تفاوت الفاظ اور طرز بیان اور بعض جگہہ مضمون میں ہے اُسکو بیان کرنا مناسب ہے۔

پہلی حدیث میں ہے "موسیٰ نبی" دوسری میں ہے صرف "موسیٰ" تیسری میں ہے "موسیٰ رسول اللہ" چوتھی میں ہے صرف "موسیٰ"

پہلی اور دوسری حدیث میں ہے "قام موسی النبی خطیبا فی بنی اسرائیل فسئل ای الناس اعلم فقال انا"

اور چوتھی حدیث میں بجائے "فسئل" کے "فقیل لہ" ہے

اور تیسری حدیث میں ہے "ذکر الناس یوما حتی اذا فاضت العیون و رقت القلوب ولی فادرکہ رجل فقال ای رسول اللہ ھل فی الارض احد اعلم منک قال لا"

هَلْ اَتَّبِعُكَ

یعنی پہلی اور دوسری حدیث میں ہے کہ "حضرت موسیٰ وعظ کرنیکو بنی اسرائیل میں کھڑے ہوئے پوچھا گیا کہ کون شخص سب سے زیادہ عالم ہے حضرت موسیٰ نے کہا کہ میں ہوں"

اور چوتھی میں بجاے " فسئل " کے " فقیل لہ " ہے یعنی موسیٰ سے کہا گیا۔

اور تیسری حدیث میں ہے کہ "ایک دن حضرت موسیٰ نے لوگوں کو نصیحت کی یہان تک کہ لوگ روئے اور اُنکے دل نرما گئے جب وعظ کہکر چلے تو ایک شخص ملا اور اُس نے کہا کہ اے رسول خدا دنیا میں تم سے زیادہ کوئی عالم ہے؟ حضرت موسیٰ نے کہا نہیں"۔

پہلی حدیث میں ہے " فاوحی اللہ الیہ ان عبدا من عبادی بمجمع البحرین اعلم منک"

اور دوسری حدیث میں ہے " قال لہ بل لی عبد بمجمع البحرین ھو اعلم منک"

اور تیسری حدیث میں ہے " قیل بلے قال ای رب واین قال بمجمع البحرین"

چوتھی حدیث میں ہے " واوحی الیہ بلی عبد من عبادی بمجمع البحرین ھو اعلم منک"

یعنی پہلی حدیث میں ہے کہ "خدا نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ مجمع البحرین میں ایک میرا بندہ تجھ سے زیادہ عالم ہے"۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ "خدا نے موسیٰ سے کہا کہ نہیں بلکہ میرا ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے تجھ سے زیادہ عالم ہے"۔

اور تیسری حدیث میں ہے کہ "کہا گیا ہاں موسیٰ نے کہا اے خدا کہان؟ خدا نے کہا مجمع البحرین میں"

اور چوتھی حدیث میں ہے کہ "خدا نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ ہاں میرا ایک بندہ مجمع البحرین میں تجھسے

کیا میں تیری پیروی کروں

زیادہ عالم ہے"۔

پہلی حدیث میں ہے" قال یا رب وکیف بہ"

دوسری حدیث میں ہے" قال ای رب من لی بہ وربما قال سفیان لی رب فکیف لی بہ"

تیسری حدیث میں ہے" قال ای رب اجعل لی علما اعلم ذلک منہ"

چوتھی حدیث میں ہے" قال ای رب کیف السبیل الیہ"

یعنی پہلی حدیث میں ہے کہ" موسیٰ نے کہا اے خدا میں کیونکر اُس تک پہونچونگا"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ" موسیٰ نے کہا اے خدا کون مجھے اُس تک پہونچائے گا اور کبھی سفیان نے کہا اے خدا میں کیونکر اُس تک پہونچونگا"

اور تیسری حدیث میں ہے کہ" موسیٰ نے کہا اے خدا مجھے کوئی نشانی بتا جس سے میں اُسکو پہچانوں"

اور چوتھی حدیث میں ہے کہ" موسیٰ نے کہا اے خدا میں کیونکر اُس تک رستہ پاؤں"

پہلی حدیث میں ہے" فقیل لہ احمل حوتا فی مکتل فاذا فقدتہ فھو ثم"

دوسری حدیث میں ہے" قال تاخذ حوتا فتجعلہ فی مکتل حیث ما فقدت الحوت فھو ثم وربما قال فھو ثمہ"

تیسری حدیث میں ہے" فقال لی عمرو قال حیث یفارقک الحوت وقال لی یعلی قال خذ نونا میتا حیث ینفخ فیہ الروح"

چوتھی حدیث میں ہے" قال تاخذ حوتا فی مکتل فحیث ما فقدت الحوت فاتبعہ"

یعنی پہلی حدیث میں ہے کہ" موسیٰ سے کہا گیا کہ زنبیل میں ایک مچھلی اُٹھا لے جہاں وہ

عَلَیٰٓ اَنۡ

وہ گم ہو وہ اُسی جگہہ ہوگا"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ "خدا نے کہا ایک مچھلی لے اور زنبیل میں رکھہ جہاں مچھلی گم ہو جائے وہ اُسی جگہہ ہوگا"

اور تیسری حدیث میں ہے کہ "عمرو بن دینار نے مجھ سے کہا کہ خدا نے کہا جہاں مچھلی تجھ سے جدا ہو اور یعلی نے مجھ سے کہا کہ خدا نے کہا ایک مردہ مچھلی لے جہاں اُس میں جان پڑ جائے"

اور چوتھی حدیث میں ہے کہ "خدا نے کہا زنبیل میں ایک مچھلی رکھہ لے جہاں مچھلی گم ہو جاوے اُس کے پیچھے پیچھے چلا جائیو"۔

پہلی حدیث میں ہے "وحمل حوتا فی مکتل حتی کانا عند الصخرة وضعا رؤسهما فناما فانسل الحوت من المکتل فاتخذ سبیله فی البحر سربا"

دوسری حدیث میں ہے "فاخذ حوتا فی مکتل ثم انطلق هو وفتاه یوشع بن نون حتی اذا اتیا الصخرة وضعا رؤسهما فرقد موسی واضطرب الحوت فخرج فسقط فی البحر فاتخذ سبیله فی البحر سربا"

تیسری حدیث میں ہے "فاخذ حوتا فجعله فی مکتل فقال لفتاه لا اکلفك الا ان تخبرلی بحیث یفارقك الحوت ۔ * * * فبینما هو فی ظل صخرة فی مکان ثریان اذ تضرب الحوت * * * حتی دخل البحر"

چوتھی حدیث میں ہے "قال فخرج موسی ومعه فتاه یوشع بن نون ومعهما الحوت حتی انتهیا الی الصخرة فنزلا عندها قال فوضع موسی راسه فنام قال سفیان وفی حدیث غیر عمرو قال وفی اصل الصخرة عین یقال له الحیاة لا یصیب من مائها شئ الا حیی فاصاب الحوت من ماء تلك العین قال فتحرك وانسل من المکتل فدخل البحر"

یعنی پہلی حدیث میں ہے کہ "موسیٰ نے زنبیل میں مچھلی رکھہ لی یہاں تک کہ دونوں ایک چٹان کے

اِس بات پر کہ تو

پاس پہونچے اور دونوں اُسپر سر رکھکر سو گئے۔ مچھلی زنبیل سے نکل پڑی اور اُس نے سمندر میں رستہ لیا۔“

اور دوسری حدیث میں ہے کہ ”موسیٰ نے زنبیل میں مچھلی لی پھر وہ اور اُنکا جوان ساتھی یوشع بن نون دونوں چلے اور ایک چٹان کے پاس پہونچے دونوں نے اُسپر اپنا سر رکھا اور موسیٰ سو گئے اور مچھلی تڑپ کر نکل پڑی اور سمندر میں جا پڑی اور اُس نے سمندر میں اپنا رستہ لیا۔“

اور تیسری حدیث میں ہے کہ ”موسیٰ نے مچھلی لی اور اُسکو زنبیل میں رکھا پھر اپنے جوان ساتھی سے کہا میں تمکو اِسکے سوا اور تکلیف نہیں دیتا کہ جہاں مچھلی تم سے جدا ہو مجھے خبر کر دینا + + + اسی اثنا میں کہ موسیٰ ایک چٹان کی پناہ میں تر زمین پر تھے کہ مچھلی تڑپی + + + یہان تک کہ وہ سمندر میں چلی گئی۔“

اور چوتھی حدیث میں ہے کہ ”راوی نے کہا کہ موسیٰ چلے اور اُنکے ساتھ یوشع بن نون تھے اور دونوں کے ساتھ مچھلی تھی یہان تک کہ ایک چٹان کے پاس پہونچے اور اُسکے قریب اُتر پڑے راوی نے کہا ہے کہ موسیٰ نے اپنا سر (اُسپر) رکھا اور سو گئے۔ سفیان کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار کی روایت کے سوا اور روایت میں ہے کہ چٹان کی جڑ میں ایک چشمہ تھا جسکو چشمۂ آب حیات کہتے ہیں۔ اُسکا پانی جسکو لگتا تھا وہ زندہ ہو جاتا تھا اُس مچھلی کو بھی وہ پانی لگا اور اُس میں جنبش پیدا ہوئی اور زنبیل سے نکل کر سمندر میں چلی گئی۔“

پہلی حدیث میں ہے ”فلما انتہیا الی الصخرۃ اذا رجل مسجی بثوب او قال تسجی بثوبہ“۔

دوسری حدیث میں ہے ”حتے انتہیا الی الصخرۃ فاذا رجل مسجی بثوب“

تیسری حدیث میں ہے ”فرجعا فوجدا خضرا قال لی عثمان بن ابی سلیمان علی طنفسۃ خضراء علے کبد البحر قال سعید ابن جبیر مسجی بثوبہ“

چوتھی حدیث میں ہے ”قال فلما انتہیا الی الصخرۃ اذا ھما برجل مسجی بثوب“

تعلیمن

یعنی پہلی حدیث میں ہے کہ "جب دونوں چٹان کے پاس پہونچے تو یکایک ایک شخص نظر پڑا جو ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھا"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ "جب دونوں چٹان کے پاس پہونچے تو ناگاہ ایک شخص ملا جو کپڑا اوڑھے ہوئے تھا"

اور تیسری حدیث میں ہے کہ "جب دونوں اُلٹے پھرے تو اُنھوں نے خضر کو پایا عثمان بن ابی سلیمان نے مجھ سے کہا سمندر کے بیچ میں ایک سبز وصلیچہ پر۔ سعید بن جبیر نے کہا کپڑا اوڑھے ہوئے"

اور چوتھی حدیث میں ہے کہ "راوی نے کہا جب دونوں چٹان کے پاس پہونچے تو یکایک دونوں نے ایک شخص کو دیکھا کپڑا اوڑھے ہوئے"

پہلی اور تیسری اور چوتھی حدیث میں اُس شخص کا نام جو حضرت موسیٰ سے مجمع البحرین پر ملا خضر لکھا ہے۔ اور دوسری حدیث میں نام نہیں ہے بلکہ "رجل مسجے بثوب" لکھا ہے یعنی ایک شخص ملا جو چادر اوڑھے ہوئے تھا۔

یہہ تفاوت الفاظ اور طرز بیان اور زیادتی و کمی مضامین کو بطور نمونہ کے ہم نے دکھایا ہے اور اسیطرح کا اُن حدیثون میں جو موسیٰ کے قصہ سے متعلق ہیں بہت جگہہ تفاوت الفاظ اور طرز بیان اور مضامین کا ہے۔ اس سے ہمکو یہہ ثابت کرنا ہے کہ ان حدیثون کے جو الفاظ ہیں وہ وہ نہیں ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں بلکہ یہہ الفاظ اخیر راویوں کے ہیں جنہوں نے ان حدیثوں کو مثل دیگر احادیث طوال کے بالمعنی روایت کیا۔ ہے اور اسلئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ تصور نہیں ہو سکتے۔

دوسرے یہ امر قابل غور ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا کہ "حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج"

(بخاری کتاب الانبیاء)

سکھلاوے مجکو اُس میں سے

یعنی بنی اسرائیل جو روایتیں بیان کرتے ہیں اُسکے بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اس بنا پر صحابہ اور تابعین یہودیوں کی روایت کو بیان کرتے تھے۔

اخیر کے راویوں نے یہ خیال کرکے کہ پہلے راوی نے آنحضرت سے سنا ہوگا اُنکو آنحضرت کیطرف مستند کردیا پس جسقدر یہودیوں کے قصے حدیثوں میں پائے جاتے ہیں اُنکی نسبت یقین نہیں ہو سکتا کہ درحقیقت وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مستند ہیں گو کہ وہ حدیثون میں مستند کئے گئے ہوں اسلئے ضرور ہے کہ اُن قصوں کا جس قدر ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اُنہیں پر ہم منحصر رہیں اور حدیثون میں جو قصے ہیں اُنکو بنظر درایت دیکھیں اور جانچیں اور جہاں تک اُن میں کوئی نقص نہ پایا جاوے اور قرآن مجید سے اُسکی تائید ہوتی ہو اُنکو تسلیم کریں اور جن میں از روے درایت کے کچھ نقص پاویں اُنکو متروک کریں۔

قرآن مجید میں یہ قصہ دو سورتون میں آیا ہے سورہ قصص میں صرف وہاں تک بیان ہوا ہے جہاں تک کہ حضرت موسیٰ ایک شخص کو قتل کرکے شہر سے بھاگے اُسکے بعد بھاگنے کی حالت میں جو واقعات پیش آئے اُنکا بیان سورہ کہف میں آیا ہے اور کوئی اِس سے انکار نہیں کرسکتا کہ وہ ایک ہی قصہ اور حضرت موسیٰ ہی کا قصہ ہے جو آدہا ایک سورۃ میں اور آدہا دوسری سورت میں آیا ہے۔

جسوقت تک کہ حضرت موسیٰ اُس شہر سے بھاگے ہیں جس میں اُنھوں نے ایک قبطی کو مار ڈالا تھا اُسوقت تک وہ نبی یا پیغمبر یا رسول نہیں ہوئے تھے کیونکہ اُنکو رسالت اُسکے بہت بعد ہوئی ہے جبکہ وہ فرعون کی ہدایت اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے پر مامور ہوئے اور یہ ایک تاریخی واقعہ ہے مگر بخاری کی مذکورہ بالا حدیثوں میں اُنکو نبی اور رسول اللہ کرکے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ خدا نے اُنپر وحی بھیجی تھی کہ مجمع البحرین میں جو میرا بندہ ہے وہ تجھ سے زیادہ عالم ہے اور اُن تمام حدیثون میں پایا جاتا ہے کہ اس واقعہ کی بابت خدا برابر اُن پر ہدایتیں بھیجتا رہتا تھا پس یہ امر جو خلاف تاریخ محققہ و مثبتہ ہے مطابق اصول حدیث کے تسلیم نہیں ہو سکتا۔

مِمَّا عُلِّمْتَ

بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ اُس چٹان کے نیچے جسپر مچھلی رکھی تھی آب حیات کا چشمہ تھا اُسکا پانی جسکو لگتا تھا وہ زندہ ہوجاتا تھا اُس مری مچھلی کو بھی وہ پانی لگا اور وہ زندہ ہوکر سمندر میں چلی گئی - یہ بیان نہ قرآن مجید میں سے مطابقت رکھتا ہے نہ عقل سے اور اسلئے مطابق اصول حدیث تسلیم نہیں ہوسکتا اور نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ قرار پاسکتا ہے - اسیطرح خضر کا سمندر کے بیچ میں ایک بہتر و صلیچہ بچھائے بیٹھا ہونا جو بخاری کی حدیث میں ہے قابل تسلیم نہیں ہے اور نہ یہ بات تسلیم ہوسکتی ہے کہ جس سوکھی گھانس پر وہ بیٹھتے تھے وہ ہری ہوجاتی تھی - انہی قصوں کی مناسبت سے اُس شخص کا نام خضر رکھدیا ہے -

اصل یہ ہے کہ قدیم زمانہ کے مقدس لوگوں میں ایک عام رواج تھا کہ لوگوں کو نصیحت کرنے اور اُنکے دل میں خدا کا ڈر بٹھانے اور اُسکی قدرت کی شان جتانے کے لئے اس قسم کے قصے بنا لیتے تھے اور بزرگون کے واقعی اور سچے حالات میں ایسی باتین ملادیتے تھے جن سے خدا کی قدرت عظیم ظاہر ہوتی تھی اور وہ لوگون کے دلون پر زیادہ موثر ہوتے تھے اسی قسم کے بہت سے قصے نہایت قدیم زمانہ کے لیٹن زبان میں موجود ہیں، حکایات لقمان بھی اسی قسم کی کتاب ہے حضرت مولانا روم کی مثنوی بھی اسی قسم کے قصوں سے مملو ہے اسیطرح یہودیوں کے عالموں اور واعظوں نے حضرت موسیٰ کے شہر سے نکلنے اور مدین تک پہونچنے کے سفر میں جو واقعات پیش آئے اُس میں بھی اعجوبہ باتیں ملادیں اور اُس سفر میں ایک فرضی شخص خضر کا ملنا شامل کیا جسکو ایک نہایت ہی بزرگ شخص اور مقدس خدا رسیدہ صاحب کشف و کرامات قرار دیا - وہ قصہ یہودیوں میں مشہور تھا اُسی قصہ کو بطور قصہ ہاے یہود صحابہ و تابعین نے بیان کیا ہوگا اور اخیر راویوں نے اِس خیال سے کہ اُن لوگوں نے آنحضرت صلعم سے سُنا ہوگا اُن قصوں کو حدیثوں میں شامل کردیا اور مفسرین نے اپنی تفسیروں میں داخل کیا، مگر قرآن مجید میں جہانتک اِس قصہ کا بیان ہے وہ سیدھا اور صاف ہے اور ان باتوں میں سے جو اُن روایتوں اور تفسیروں میں بیان ہوئی ہیں ایک حرف بھی قرآن میں شامل نہیں ہے -

جو سکھایا گیا ہے تجکو

آج تک علما یہ بھی نہیں بتا سکے کہ خضر کون تھے اور کس کے بیٹے تھے دار قطنی کی روایت یہ ہے کہ وہ حضرت آدم کے بیٹے ہیں یہ روایت ابن عباس سے ہے اور اس روایت میں مقاتل اور ضحاک بھی راوی ہیں۔ اصابہ میں لکھا ہے کہ مقاتل کی روایت تو لینے کے قابل نہیں ہے اور ضحاک نے ابن عباس سے کوئی روایت نہیں سنی۔

ابو حاتم سجستانی اُنکو قابیل کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اُن کا نام خضرون ہے، اور بعضوں نے کہا عامر، اور بعضون نے کہا کہ انکا نام بلیا ہے اور وہ بیٹے ہیں ملکان کے جو نوح کی اولاد میں سے تھے، اور بعضوں نے کہا اُن کا نام معمر ہے اور وہ بیٹے ہیں مالک بن عبد اللہ بن نصر بن ازد کے، اور بعضوں نے کہا کہ وہ عمائیل بن نور بن عیص بن اسحاق کے بیٹے ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ وہ موسیٰ کے بھائی ہارون کے نواسے ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ انکا نام ارمیا بن خلقیا ہے، اور بعضوں نے کہا کہ وہ فرعون کے نواسے ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ وہ فرعون کے بیٹے ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ وہ الیسع ہیں اور اُنھی کو خضر کہتے ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ وہ فارسی النسل ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ وہ اُن میں سے کسی شخص کی اولاد میں ہیں جو حضرت ابراہیم پر ایمان لائے تھے، اور بعضوں نے کہا کہ اُن کا باپ تو ایک فارسی شخص تھا اور اُن کی ماں رومی تھی، اور بعضوں نے کہا کہ انکا باپ رومی تھا اور ماں فارسی تھی، اور بعضوں نے کہا وہ فرشتے تھے جو آدمی کی صورت بنجاتے تھے یہ تمام اختلاف جو نسب سے علاقہ رکھتے ہیں علامہ ابن حجر نے اصابہ میں بیان کئے ہیں۔

اور اصابہ میں سہیلی کی کتاب التعریف والاعلام سے لکھا ہے کہ خضر کا نام عامیل بن سماطین بن اربان خلفا بن عیصو بن اسحاق ہے اور اُنکے باپ بادشاہ تھے اور ماں فارسی تھی جسکا نام الھا تھا وہ ایک جنگل میں پیدا ہوئے اور ایک شخص کی بکری تھی جو اُنکو آنکر دودھ پلا جاتی تھی پھر اُس شخص نے اُنکو اُٹھا لیا اور پرورش کی۔ ایسی حالت میں اور خصوصاً جبکہ بعضوں نے اُنکو فرشتہ قرار دیا ہو جو آدمی کی صورت بن جاتے تھے کیونکر ایک واقعی شخص اور نہ صرف شخص بلکہ نبی و رسول

رُشْدًا ﴿۶۵﴾ قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۶﴾ وَ
كَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ﴿۶۷﴾ قَالَ سَتَجِدُنِي
إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ فَإِنِ
اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۶۹﴾
فَانطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا قَالَ أَخَرَقْتَهَا
لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ﴿۷۰﴾ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ
إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ
وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ﴿۷۲﴾ فَانطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا
لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ
لَّقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ﴿۷۳﴾ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ
مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۴﴾ قَالَ إِن سَأَلْتُكَ عَن شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا
تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِن لَّدُنِّي عُذْرًا ﴿۷۵﴾ فَانطَلَقَا حَتَّىٰ
إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا

قرار دیا جا سکتا ہے اور کچھ شبہ نہیں رہتا کہ یہ پرانے قصوں میں کا ایک فرضی نام ہے اور اُس کو حضرت
موسیٰ سے اصلی واقعات کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔

کامیابی کو ﴿۶۵﴾ اُسنے کہا کہ بیشک تو نہیں کرسکے گا میرے ساتھ صبر ﴿۶۶﴾ اور کسطرح تو صبر کرے گا اُس چیز پر جسکو تو نے نہیں گھیر لیا ہے سمجھ سے ﴿۶۷﴾ موسیٰ نے کہا کہ تو مجھکو پاویگا اگر اللہ نے چاہا صبر کرنیوالا اور میں نافرمانی نہیں کرونگا تیرے لئے کسی حکم کی ﴿۶۸﴾ اُسنے کہا پھر اگر تو میری پیروی کرتا ہے تو نہ پوچھنا مجھ سے کسی بات کو یہانتک کہ میں خود کہوں تجھ سے اُسکا کوئی ذکر ﴿۶۹﴾ پھر وہ دونوں چلے یہانتک کہ جب دونوں سوار ہوے کشتی میں تو اُس شخص نے چھید کر دیا اُسمیں (یعنی کشتی میں) موسیٰ نے کہا کہ کیا تو نے اُس میں چھید کیا ہے اسلیئے کہ ڈبو دے تو اُسکے لوگوں کو بیشک تو نے کیا ہے بہت بُرا کام ﴿۷۰﴾ اُسنے کہا کہ کیا میں نے نہ کہا تھا کہ تو نہیں کرسکیگا میرے ساتھ صبر ﴿۷۱﴾ موسیٰ نے کہا کہ نہ پکڑ تو مجکو اُس بات پر جو میں بھول گیا اور مت ڈال مجھپر میرے کام میں تنگی ﴿۷۲﴾ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ ملے ایک جوان[۱] سے تو اُس شخص نے اُسکو مار ڈالا موسیٰ نے کہا کیا مار ڈالا تو نے ایک پاک (یعنی بیگناہ) جان کو بغیر بدلے جان کے بیشک تو نے کیا ہے بہت ہی ناپسندیدہ کام ﴿۷۳﴾ اُسنے کہا کیا میں نے نہیں تجھکو کہا تھا کہ بیشک تو نہیں کرسکنے کا میرے ساتھ صبر ﴿۷۴﴾ موسیٰ نے کہا کہ اگر میں تجھسے پوچھوں کسی چیز سے بعد اُسکے تو نہ مجھکو اپنے ساتھ رکھیو بیشک پہونچ گیا ہے تجھکو میری طرف سے عذر ﴿۷۵﴾ پھر دونوں چلے یہانتک کہ جب پہونچے ایک گاؤں والوں پاس تو دونوں نے کھانا مانگا گاؤں کے لوگوں سے پھر اُنہوں نے انکار کیا کہ ضیافت کریں انکی

(۶۵-۸۱) اِن آیتوں میں جو واقعات مذکور ہیں اُنکی تفسیر خود آیتوں سے ظاہر ہے مگر ہم کو تین واقعات

[۱] ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب - وقتیکہ برخوردند با نوجوانے -

فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿٧٦﴾ قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٧﴾ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٨﴾ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٧٩﴾

کی نسبت جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے بیان کرنا باقی ہے ایک کشتی کا چیرنا، ایک دیوار کا درست کرنا اور ایک غلام کا قتل کرنا۔ یہ شخص جو حضرت موسیٰ سے ملا کچھ شبہہ نہیں ہو سکتا کہ اُس نواح کے حالات سے واقف تھا اور اسی سبب سے یعنی رستہ بتانے کی غرض سے حضرت موسیٰ نے اُس سے کہا تھا کہ کیا میں تمہاری پیروی کروں۔ اُسنے کہا تھا کہ جو کچھ میں کروں جبتک کہ میں ہی تم سے نہ کہوں مجھ سے نہ پوچھنا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا وہ شخص جانتا تھا کہ موسیٰ اس نواح کے حال سے واقف نہیں ہیں جو کچھ کرونگا وہ پوچھینگے کہ یہ کیوں کیا اور شاید اُسکا بتلانا مجھکو منظور نہ ہو۔

کشتی کے ناقص کر دینے کی جو وجہ اس شخص نے بتلائی وہ نہایت صاف ہے وہ جانتا تھا کہ وہاں کا بادشاہ ظالم ہے لوگوں کی کشتیاں چھین لیتا ہے یا بیگار میں پکڑ لیتا ہے اُس نے اُس کشتی کو اِس لیئے ناقص کر دیا کہ وہ چھینی یا پکڑی نہ جاوے۔

دیوار کو اُس نے اِس لیئے درست کر دیا کہ اُسکو پہلے سے معلوم ہوگا کہ اُسکے نیچے

پھر اُنھون نے بائی اُس گاؤن میں ایک دیوار جو چاہتی تھی کہ گر پڑے پھر اُسکو سیدھا بنادیا موسٰی نے کہا کہ اگر تو چاہتا تو البتہ تو لیتا اسپر مزدوری (۷۶) اُسنے کہا کہ یہ ہی جدائی مجھ میں اور تجھ میں اب میں تجھکو خبر کرتا ہون بیان کرنے سے اُس چیز کے کہ نہین کرسکا تو اُسپر صبر (۷۷) لیکن کشتی تو تھی غریب لوگون کی چلاتے تھے دریا میں پھر مینے چاہا کہ اُسکو عیب دار کردون اور تھا اُنکے آگے ایک بادشاہ پکڑ لیتا تھا ہر کشتی کو زبردستی (۷۸) لیکن وہ نوجوان تو تھے اُسکے مان باپ مسلمان پھر مجھکو خوف ہوا کہ اذیت پہونچاویگا اونکو سرکشی اور کفر کرکے (۷۹)

یتیمون کے باپ کا رکھا ہوا مال ہے اور اُسکو اُن یتیمون کے مال کا محفوظ رہنا منظور ہوگا۔

تفسیر کبیر میں بعض کا قول لکھا ہے کہ اُس دیوار کے نیچے خزانہ نہ تھا بلکہ ایک تختی تھی جسپر چند عمدہ باتین لکھی ہوئی تھیں۔ یہ قول صحیح ہو یا غلط مگر جن عمدہ باتون کا اُسپر لکھا ہوا ہونا بیان کیا ہے وہ دلچسپ ہیں اسلئے ہم اُنکو لکھتے ہیں۔

اُس تختی پر لکھا ہوا تھا، "تعجب ہے کہ جو شخص مقدر پر یقین رکھتا ہو اور پھر غمگین رہے"۔

"تعجب ہے کہ جو شخص رزق مقدر پر یقین رکھتا ہو اور پھر رنج میں پڑے"۔

"تعجب ہے کہ جو شخص موت پر یقین رکھتا ہو اور پھر خوش رہے"۔

"تعجب ہے کہ جو شخص حساب اعمال پر یقین رکھتا ہو اور پھر غفلت میں پڑا رہے"۔

"تعجب ہے کہ جو شخص دنیا کے انقلاب پر یقین رکھتا ہو اور پھر اُس پر مطمئن رہے"۔

اخیر کو اُس میں لکھا تھا، "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔

غلام کا مار ڈالنا البتہ زیادہ غور کے لایق ہے مگر تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ غلام کا اطلاق جیسے چھ

فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۰﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۱﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۲﴾ إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۳﴾

نہیں ہوتا بلکہ جوان پر بھی ہوتا ہے اور اُس میں یہ قول بھی لکھا ہے کہ جسکو غلام کہا ہے وہ بالغ یعنی جوان تھا اور ڈاکہ ڈالا کرتا تھا اور گودر بدے بڑے کام کرتا تھا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ وہ شخص اُس کے افعال سے واقف تھا اور وہ واجب القتل تھا اتفاقاً اُسکو مل گیا اور اُسنے مارڈالا اور موسیٰ سے کہا کہ اُس کے ماں باپ نیک ہیں خدا اُنکو نعم البدل دیگا۔ مفسرین نے تو یہاں تک سلسلہ پہونچا دیا ہے کہ پھر اُسکے ہاں بیٹی پیدا ہوئی اور ایک بیٹے سے بیاہی گئی اُس سے بیٹی ہی پیدا ہوئی پس ان تمام واقعات میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو عجیب ہو اور عام حالات انسانی کے مطابق واقع نہ ہوئی ہو۔

﴿۸۳﴾ و ﴿۹۹﴾ ان آیتوں میں یاجوج ماجوج کا اور اُس سد کا ذکر ہے جو اُنکے روکنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ لیکن اگر ہم ہر ایک مطلب کو علیحدہ علیحدہ ہر ایک آیت کے ساتھ بیان کریں تو پورا قصہ اور وہ دلیلیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سد کہاں ہے بخوبی سمجھ میں نہیں آنیکی اسلئے

پھر ہمنے چاہا کہ بدلا دیوے اُنکو اُنکا پروردگار بہتر اُس سے نیکی میں اور نزدیک زیادہ مہربانی
میں (۸۰) اور لیکن دیوار تو تھی دو نوجوان یتیمون کی اُس شہر میں اور اُسکے نیچے تھا خزانہ اُنکی
لئے تھا اُنکا باپ نیک پھر چاہا تیرے پروردگار نے کہ وہ پہونچیں اپنی نہایت قوت میں اور
نکالیں اپنا خزانہ اپنے پروردگار کی رحمت سے اور نہیں کیا میں نے اُسکو اپنی خواہش سے[۵۱] یہ ہے
بیان اُس چیز کا کہ نہیں کر سکا تو اُسپر صبر (۸۱) اور پوچھتے ہیں تجھکو ذی القرنین سے کہدے
جلد پڑھونگا میں تم پر اُسمیں سے کچھ ذکر (۸۲) بیشک ہمنے قوت دی تھی اُسکو زمین میں اور
ہمنے دیا تھا اوس کو ہر ایک چیز کا سامان پھر پیروی کی اُس نے
سامان کی (۸۳)

ان آیتون کی تفسیر ایک ساتھ بیان کرتے ہیں۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ

خدا نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ "تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کا حال" اب مسلمان مورخون اور مفسرون نے اِس بات پر غور کرنی شروع کی کہ ذوالقرنین کون تھا۔

قرآن مجید میں یہ لفظ آیا تھا "انا مکنا له فی الارض" یعنی ہمنے اُسکو قدرت دی تھی زمین میں اسلئے اکثر مفسرین نے تسلیم کیا کہ وہ کوئی بہت بڑا بادشاہ تھا۔ اب یہ سوچ ہوئی کہ ایسا بڑا بادشاہ جسنے تمام دنیا کو مشرق سے مغرب تک لے لیا ہو کون تھا۔ غالباً ایسا بادشاہ تو اُنکو کوئی نہیں ملا اسلئے اُنھون نے تلاش کیا کہ سب سے بڑا بادشاہ کون ہوا ہے۔ تاریخ کی کتابون کو ٹٹولا اور یہ قرار دیا کہ سکندر اعظم بن فیلقوس یونانی سب بادشاہوں میں بڑا بادشاہ تھا۔ کیونکہ جب اُسکا باپ فیلقوس مرا تو

[۵۱] وما فعلته عن امری الا من قبل نفسی (تفسیر ابن عباس)

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ﴿٨٤﴾ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿٨٥﴾

مملکت روم میں جو طوائف الملوکی تھی اُن سب کو مغلوب کرکے ایک سلطنت بنائی پھر مغرب کے بادشاہوں کو مغلوب کیا اور بحر اخضر تک جا پہونچا پھر وہاں سے پھرا اور مصر میں پہونچا اور وہاں اپنے نام پر اسکندریہ بنایا پھر شام میں پہونچا اور بنی اسرائیل پر حملہ کیا اور بیت المقدس میں پہونچکر قربانی کی پھر آرمینیہ اور باب الابواب میں آیا اور اہل عراق اور قبطی اور اہل بربر تک پہونچا پھر دارا پر حملہ کیا اور اُسکو شکست دی اور فارس کے ملک پر قبضہ کرلیا پھر ہندوستان اور چین پر چڑھائی کی اور دور دور کے ملکوں کو فتح کرتا ہوا خراسان میں آیا اور بہت سے شہر آباد کئے اور پھر عراق میں آیا اور شہر زور میں بیمار ہوکر مرگیا۔

اب امام رازی صاحب فرماتے ہیں کہ جب قرآن سے ثابت ہوا کہ ذوالقرنین ایک ایسا شخص تھا کہ جسنے تمام زمین پر یا قریباً کل پر بادشاہت کی تھی اور علم تواریخ سے ثابت ہوا کہ ایسا بادشاہ سوائے سکندر کے اور کوئی نہیں ہوا تو اب بالیقین قرار پایا کہ ذوالقرنین سے مراد سکندر بن فیلقوس یونانی ہے۔ ھکذا فی تفسیر الکبیر

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ جب قرآن مجید میں اُس بادشاہ کا نام نہیں بتایا بلکہ صرف اُسکے چند پتے بتلائے ہیں تو ہر شخص کو اِس پہیلی کے بوجھنے کا خیال پیدا ہوگا مگر ہمکو افسوس ہے کہ امام صاحب نے اُسکو ٹھیک ٹھیک نہیں بوجھا نہ سکندر کے زمانہ کی تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ وہ تمام دنیا پر مشرق سے مغرب تک بادشاہ ہوگیا تھا اور نہ وہ وہاں تک جہاں آفتاب طلوع اور غروب ہوتا ہے پہونچا تھا اور نہ دنیا کا جغرافیہ اُن باتوں کی جنکا ذکر امام صاحب نے اپنی تفسیر میں کیا ہے تصدیق کرتا ہے اسلئے ہمکو جرأت ہوئی ہے کہ اپنے یقین سے یہ بات

یہانتک کہ جسوقت پہونچا آفتاب کے ڈوبنے کی جگہہ کے قریب تو پایا اُسکو کہ ڈوبتا ہی گدلے چشمہ میں اور پایا اُسکے پاس ایک قوم کو (۸۴) ہمنے کہا کہ اے ذوالقرنین یا یہ کہ تو عذاب دے اور یا یہ کہ تو اختیار کرے اُنمیں نیکی کو (۸۵)

کہیں کہ امام صاحب نے جو ذوالقرنین سے اسکندر یونانی مراد لیا ہے محض غلط ہے۔ اب امام صاحب اس بات پر متوجہ ہوئی ہیں کہ سکندر کو ذوالقرنین کیون کہا ہے اور اُسکی کئی وجہین بیان کی ہیں ایک یہ کہ وہ قرنی الشمس تک یعنی مشرق و مغرب تک پہونچا تھا اور ایک جھوٹی حدیث کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بنائی ہے کہ سُمّی بذی القرنین لانہ طاف قرنی الدنیا یعنی شرقہا و غربہا غالباً اس وجہ کے بیان کرتے وقت امام صاحب کا خیال ہے کہ زمین مربع ہے اور اُسکا ایک کنارہ مشرق ہے اور ایک کنارہ مغرب اور اُن کناروں سے آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہی لیکن اگر درحقیقت زمین گول ہے تو انسان مشرق و مغرب تک کیونکر پہونچ سکتا ہے کیونکہ آفتاب کا طلوع و غروب باعتبار اُفق کے کہا جاتا ہے پس انسان جہانتک چلا جاوے اُفق بدلتا جاویگا اور مشرق و مغرب کی یکسان حالت رہیگی اور کبھی بھی مشرق و مغرب تک نہ پہونچ سکیگا اور اگر ہم بالفرض باعتبار کسی ملک کی اُفق کے یا بالتخصیص ملک روم کی اُفق کے جہان سکندر کا دارالسلطنت تہا زمین کے نصف کرہ فوقانی کے ایک نقطہ کو مشرق اور ایک کو مغرب قرار دین توبھی سکندر وہانتک نہیں پہونچا تھا پس یہ دلیل جو وجہ تسمیہ کی بیان کی ہے سرتا پا غلط ہے۔

ایک دلیل یہ بیان کی ہے کہ سکندر دارا کا بیٹا ہے نہ فیلقوس کا۔ فیلقوس نے اپنی بیٹی کی شادی دارا سے کردی تھی مگر دارا نے اُسکو نکال دیا اور اُسکے باپ کے گہر بہیجدیا لیکن وہ حاملہ ہوچکی تھی اپنے باپ کے گہر بیٹا جنی فیلقوس نے اُسکو اپنا بیٹا بنالیا اسکے ثبوت میں یہ دلیل بیان کی ہے کہ جب دارا زخمی ہوا اور سکندر اُسکا سر گود میں لیکر بیٹھا تو سکندر نے دارا سے کہا کہ اے ابا جان تم کو کسنے زخمی کیا پہر سکندر اگر دارا کا بیٹا نہ ہوتا تو اُسکو ابا جان کیون کہتا پس سکندر کا باپ تو دارا تہا

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۶﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۷﴾

اور اُسکی ماں رومی تھی دو نسلیں مل گئیں اس لئے اُسکو ذوالقرنین کہا گیا۔

ایک یہ وجہ بیان کی ہے کہ اُسکے وقت میں انسانوں کے دو قرن گذرے تھے مگر نہیں بتایا کہ انسانوں کے دو قرن گذرنے سے کیا مراد ہے۔

ایک یہ وجہ بیان کی ہے کہ اُسکے سر کی دو طرفیں تانبے کی تھیں کان صفحتا راسہ من النحاس مگر اُسکی کچھ تشریح نہیں کی کہ کان صفحتا راسہ من النحاس سے کیا مراد ہے۔

ایک یہ وجہ بیان کی ہے کہ اُسکے سر پر پیدائشی کوئی ایسی چیز تھی جو دو سینگوں کے مشابہ تھی غالباً اسی خیال سے لوگوں میں یہ بات مشہور ہوئی ہے کہ سکندر کے سر پر دو سینگ تھے۔

ایک یہ وجہ بیان کی ہے کہ اُسکے تاج میں دو سینگ بنے ہوئے تھے۔

ایک یہ کہی ہے کہ اُسکی دو زلفیں تھیں اُن ہی کو دو سینگ کہا ہے۔

سب سے بڑی دلچسپ یہ وجہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور و ظلمت دونوں کو اُسکا مسخر کیا تھا اسلئے اُسکو ذوالقرنین کہتے تھے۔

ایک یہ وجہ لکھی ہے کہ بسبب شجاعت کے اُسکو ذوالقرنین کہتے تھے جیسے کہ شجاع آدمی کو مینڈھے سے تشبیہ دیتے ہیں جسکے دو سینگ ہوتے ہیں۔

ایک اور دلچسپ وجہ لکھی ہے کہ سکندر نے خواب میں دیکھا کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا ہے اور آفتاب کے دونوں کنارے یا دونوں سینگ (بہتر یہ کہنا ہے کہ دونوں کان) پکڑ کر لٹک گیا تھا اسلئے ذوالقرنین کہتے ہیں۔

ذوالقرنین نے کہا کہ لیکن جسنے ظلم کیا ہے پہر جلد عذاب دونگا میں اُسکو پہر پہیر جاوےگا طرف اپنے پروردگار کے پہر عذاب کرے اُسکو عذاب سخت ﴿۸۶﴾ لیکن جو ایمان لایا اور کام کئے نیک تو اُسکے لئے ہے بدلا اچھا اور کہون گا میں اُسکے لئے اپنے کامون میں سے آسانی ﴿۸۷﴾

ایک یہ وجہ لکھی ہے کہ اُسنے نور میں اور ظلمات میں دونوں میں سفر کیا تھا پس ذُوالقَرنَین ہوگیا۔

ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب اٰثَارُ البَاقِیَۃُ عَنْ قُرُوْنِ الْخَالِیَۃِ میں حمیری خاندان کے بادشاہون میں سے ابوکرب شمس بن عبیر بن افریقیس کو ذوالقرنین قرار دیا ہے اور کہتا ہے کہ اُسکا ملک مشرق و مغرب تک پہونچ گیا تہا اور اُس پر بڑا قرینہ یہ قائم کیا ہے کہ ذو کا لفظ حمیری خاندان کے بادشاہون کے نام کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے جیسے ذی نواس وغیرہ۔

مگر یہ دلیل بہی ٹہیک نہیں ہے اسلیئے کہ اول یہ ثابت ہونا چاہیئے کہ ذوالقرنین اُسی ملک کی زبان کا لفظ ہے جس ملک کا وہ بادشاہ تھا حالانکہ یہ امر تحقیق طلب ہے علاوہ اسکے جس قدر اعتراضات سکندر کی سلطنت اور قرآن مجید کی آیات کو اُسکی مملکت کی حالت کے مطابق ہونے پر ہیں وہی سب اعتراضات ابوکرب کی سلطنت و مملکت پر بہی وارد ہوتے ہیں۔

بعض مورخون کا قول ہے کہ ذوالقرنین ایک نیک بندہ تہا خدا کی عبادت میں اُسی کے داہنے قرن میں مارا گیا وہ مرگیا خدا نے اُسکو پہر زندہ کیا پہر بائیں قرن پر مارا گیا پہر مرگیا پہر خدا نے اُسکو زندہ کیا اور ذوالقرنین اُسکا نام ہوا اور بادشاہ ہوگیا ہے۔ کیا یہ کچھ کم افسوس کی بات ہے جب کہ ایسی بے سروپا باتین قرآن مجید کی تفسیرون میں لکھی ہوئی دیکھتے ہیں۔

بعض مورخون نے لکھا ہے کہ ذوالقرنین فرشتون میں سے ایک فرشتہ تھا۔ یہ تمام اقوال جو ہمنے بیان کئے ہیں تفسیر کبیر میں منقول ہیں۔

اب ہمارے مفسروں نے اِس بات کی تحقیق شروع کی کہ ذوالقرنین نبی یعنی پیغمبر تھا

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۸﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۸۹﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۰﴾

یا نہیں بعضوں نے کہا ہے کہ نبی تھا بعضوں نے کہا کہ نبی نہیں تھا۔ جو لوگ اُسکے نبی ہونے کے قائل ہوئے اُنھوں نے یہ دلیل پکڑی کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انا مکنا له فی الارض یعنی ہمنے اُسکو قدرت دی زمین میں تو قدرت کے لفظ سے قدرت فی الدین قرار دینا اولیٰ ہے اور پوری قدرت دین میں نبوت ہے اسلئے ذوالقرنین نبی تھا۔

دوسری جگہہ خدا نے فرمایا ہے واٰتیناہ من کل شئ سببا یعنی ہمنے دیا اُسکو ہر ایک چیز کا سامان اور ہر چیز کے لفظ میں نبوت بھی داخل ہے اور اس لئے ذوالقرنین کو نبوت بھی دی گئی تھی۔

تیسری جگہہ خدا نے کہا قلنا یا ذا القرنین یعنی ہمنے کہا اے ذوالقرنین اور خدا جس سے بات کرتا ہے وہی ہوتا ہے پس ذوالقرنین بھی نبی تھا۔

بعضوں نے کہا کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھا مرد صالح تھا اور مکنا له فی الارض سے اُسکی قوت سلطنت اور من کل شئ سببا سے ذریعۂ حصول تسلط ملک پر مراد لینی چاہیئے مگر امام رازی صاحب ان الفاظ سے ذوالقرنین کے نبی ہونے کو تقویت دیتے ہیں۔

مفسرین کو جو اسقدر غلطیاں یا مشکلیں ان آیتوں کی تفسیر میں پڑیں اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ انھوں نے واقعات کی تحقیق میں اُلٹی راہ اختیار کی ہے یعنی اول اس بات کی تحقیق شروع کی ہے کہ ذوالقرنین کون تھا حالانکہ اول اس بات کو دریافت کرنا تھا کہ وہ سد جسکا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور ایسی مستحکم و مضبوط بنائی گئی ہے کہ مفسرین اور مورخین کے زمانہ تک اُسکا معدوم ہو جانا غیر ممکن ہے۔ فی الحقیقت کس جگہہ واقع ہے صرف قیاسا یہ کہدینا کہ شمال میں بنی ہوگی کافی نہیں

پھر پیروی کی اُسنے سامان کی (۸۸) یہان تک کہ جب پہونچا آفتاب کے نکلنے کی جگہ کے قریب تو پایا اُسکو کہ نکلتا ہے ایک قوم پر کہ نہیں کیا ہمنے اُنکے لئے اُس سے ورے کوئی اوٹ (۸۹) یہ حال تھا اور بیشک ہمنے احاطہ کر لیا ہی اُس چیز کو جو اُسکے پاس تھی خبرداری کرکے (۹۰)

صاف طور پر اور بالتحقیق بتانا چاہیے کہ وہ سد فلان مقام پر موجود ہے۔

اِسکے بعد تحقیق کرنا چاہیئے کہ اُسکو کس بادشاہ نے بنایا تھا جس بادشاہ نے بنایا ہو اُسی پر قرآن مجید میں ذوالقرنین کا اطلاق ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ اُس بادشاہ کو ذوالقرنین کہنے کی وجہ نہ معلوم ہو یا مشتبہ رہے مگر اُسکے نہ معلوم ہونے یا مشتبہ رہنے سے کوئی ہرج اصل واقعہ کے ثابت ہونے میں نہیں ہوتا کیونکہ واقعہ جسکا ثبوت درکار ہے وہ صرف اِسقدر ہے کہ وہ سد بنی اور فلان مقام پر موجود ہے اور فلان بادشاہ نے اُسکو بنایا۔

اُسکے بعد اُس بادشاہ کی مملکت اور اُسکی سلطنت پر غور کرنا ہے کہ وہ حالات اُن باتون کے مطابق ہیں جو قرآن مجید میں اُس بادشاہ کی سلطنت یا مملکت کی نسبت بیان ہوئے ہیں یا نہیں کیونکہ اگر وہ مطابق ہون تو کافی یقین ہوگا کہ اُسی بادشاہ کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور اُسی پر ذوالقرنین کا اطلاق ہوا ہے۔

اِسی کے ساتھ یاجوج اور ماجوج کا تاریخانہ طور سے حال بیان کرنا چاہیئے نہ قصہ اور کہانی کے طریقہ پر اور قرآن مجید کے الفاظ کے سیدھے اور صاف معنی لینے چاہئیں نہ پیچیدہ اور دور از کار چنانچہ اب ہم اِس واقعہ کے بیان کرنے میں اِسی طریقہ کی پیروی کرینگے۔

یاجوج و ماجوج

ہمارے بعض علما نے یاجوج و ماجوج کو عربی زبان کا لفظ بنانا چاہا ہے۔

کسائی کا قول ہے کہ یاجوج۔ تاجج النار سے نکلا ہے جسکے معنی شعلہ کے بھڑکنے کے ہیں

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۱﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۲﴾ قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ

اور ماجوج موج البحر سے نکلا ہے جو کہ وہ قوم چلنے اور دوڑ مارنے میں بہت تیز اور سریع الحرکت تھی اسلیے اِس نام سے موسوم ہوئی۔ بعضوں نے کہا ماجج الملح سے نکلے ہیں جسکے معنی نمک کی نمکینی کی شدید تیزی کے ہیں۔

قُتَیبِی کا قول ہے کہ اَجّ الظلیم سے نکلا ہے جسکے معنی دوڑکر چلنے کے ہیں۔

خلیل کا قول ہے کہ اج مسور کی مانند دانہ ہوتا ہے اور مج الریق بھی عرب میں بولا جاتا ہے پس یاجوج وماجوج اُن لفظوں سے مشتق ہوئے ہیں۔

مگر یہ سب قول غلط ہیں صحیح قول یہ ہے جسکو تفسیر کبیر میں بھی نقل کیا ہے کہ اِنَّهُمَا اِسْمَانِ اَعْجَمِیَانِ مَوْضُوْعَانِ بِدَلِیْلِ مَنْعِ الصَّرْفِ۔

اِسمین کچھ شک نہیں کہ یہ دونوں لفظ عجمی زبان کے ہیں توریت کتاب پیدائش باب دہم آیت دوم میں یافث کے ایک بیٹے کا نام آیا ہے ماغوغ عبری زبان میں غین کا تلفظ گاف کی آواز سے ہوتا ہے پس ماغوغ بولا جاتا ہے ماگوگ عربی میں گاف کو جیم سے بدل لیتے ہیں اسلیے ماگوگ کا ماجوج ہوگیا بَیْبِل کا عربی ترجمہ جو پوپ کے حکم سے ہوا اور سنہ ۱۶۷۱ء میں چھپا اُسمیں بھی ماغوغ کو ماجوج عربی میں لکھا ہے۔

یورپ کی زبانوں میں واو کا تلفظ ایسی آواز سے ہوتا ہے جو آواز مابین آواز حرف الف اور حرف واو یا واو منقلب بالف ہوا اِس وجہ سے جب توریت کا ترجمہ یونانی زبان میں ہوا تو ماغوغ کا تلفظ ماگوگ یا میگاگ لکھا گیا اور میگاگ کی نسل یعنی اُس قوم کا جو میگاگ سے نکلی گوگ یا گاگ نام ہوا اور پھر اُس ملک پر بھی جہاں وہ آباد تھی گاگ کا استعمال ہونے لگا۔ مگر استعمال میں یہ دونوں لفظ

پھر پیروی کی اُسنے سامان کی (۹۱) یہانتک کہ جب پہونچا درمیان دو پہاڑوں کی[۹۱] پایا ورے اُن دونوں کے ایک قوم کو کہ قریب (یعنی آسان) نہ تھا کہ سمجھیں بات کو (۹۲) اُنھوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین یاجوج اور ماجوج فساد کرنیوالے ہیں زمین میں پھر کیا مقرر کریں ہم تیرے لئے کچھ

ساتھ ساتھ بولے جاتے تھے جیسے گاگ میگاگ اور ایک کا دوسرے پر بھی اطلاق ہوتا تھا عربی زبان میں بجاے گاگ میگاگ کے یاجوج ماجوج کا استعمال ہوا پس یہ دونوں لفظ عجمیہ ہیں اور بطور علم کے مستعمل ہوتے ہیں اور اسی لئے عربی زبان میں غیر منصرف مستعمل ہوتے ہیں۔

کتاب خرقیل نبی باب ۳۸ ورس ۲ میں گوگ کا لفظ قوم پر اور ماگوگ کا لفظ ملک پر بولا گیا ہے۔

بعض مسلمان مورخوں نے لکھا ہے کہ یاجوج و ماجوج نہایت قلیل الجثۃ اور صغیر القامۃ ہیں یعنی صرف بالشت بھر کا اونکا قد ہے یعنی بالشتئے ہیں اور بعضوں نے کہا کہ نہایت قوی الجثۃ اور طویل القامت ہیں اُنکے ناخن اور دانت ڈاڑہ درندہ جانوروں کے مانند ہیں وہ آدمیوں کو مار کر اُنکا کچا گوشت کھا جاتے تھے اور کھیتی پکنے کے موسم میں نکلکر تمام کھیتوں کو چٹ کر جاتے تھے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اُنکے کان اتنے بڑے ہیں کہ ایک کو بچھا کر اور ایک کو اوڑھکر سو رہتے ہیں۔

مگر یہہ سب کہانیاں جھوٹ اور محض بے اصل ہیں وہ لوگ تاتاری ترک ہیں ہمارے علما نے بھی لکھا ہے اور تفسیر کبیر میں اُس قول کو نقل کیا ہے کہ قیل انھما من الترک یہ قوم اب تک موجود ہے اور تمام ملک تاتار اور چینی تاتار میں آباد ہے۔

مگر جب میں نے یہ بیان کیا ہے کہ یاجوج و ماجوج ۔گاگ ۔میگاگ سے معرب ہو گیا ہے اور انہیں سے ایک کو قوم کا اور ایک کو ملک کا نام بتایا ہے تو یاجوج و ماجوج کو دو شخص سمجھنا جیسے کہ ہمارے مورخوں اور مفسروں نے سمجھا ہے صحیح نہیں ہوگا بلکہ اُنسے وہی مطلب سمجھا جاویگا جو

[۹۱] بین السدین) بین الجبلین (تفسیر ابن عباس)

خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَہُمۡ سَدًّا ﴿۹۳﴾ قَالَ مَا مَکَّنِّیۡ فِیۡہِ رَبِّیۡ خَیۡرٌ فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّۃٍ اَجۡعَلۡ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہُمۡ رَدۡمًا ﴿۹۴﴾

گوگ اور ماگوگ سے سمجھا جاتا ہے۔ جو ملک کہ اب بھی تبت کے شمال میں واقع ہے اور جو قدیم زمانہ میں ستھیا اور تاتار کہلاتا تھا اور حال کے نقشوں میں چینی ترکستان کے نام سے لکھا جاتا ہے اس قوم کے رہنے کی جگہہ تھی اور تاتاری اُن ہی کی نسل سے ہیں بہت سے لوگوں نے تاتاریوں کو دیکھا ہوگا وہ مثل عام انسانوں کے ہیں اُنمیں کوئی بھی عجیب بات نہیں ہے البتہ کھوسی ہوتے ہیں۔

سَدّ یا گریٹ وال

کچھ شبہ نہیں ہے کہ جس سَدّ کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ وہی دیوار ہے جو چین اور تاتار یا ستھیا کی سرحد پر بنائی گئی ہے اور جسکو چی وانگ ٹی فغفور چین نے درمیان ۲۴۰ و ۲۳۵ سنہ قبل مسیح میں بنایا تھا۔

یہ دیوار ھانگ ھو دریا کی غربی موڑ سے جو ایک پہاڑ کے قریب ۳۰ درجہ ۱۵ دقیقہ عرض بلد اور ۱۰۷ درجہ طول بلد پر واقع ہے بنانی شروع ہوئی اور پھر اُس دریا کے دوسرے موڑ کو تقریباً ۳۹ درجہ عرض بلد اور ۱۱۱ درجہ طول بلد پر کاٹ کر اور خنجان پہاڑوں کے جنوبی سلسلہ کے نیچے ہو کر خلیج لیوٹونگ کے کنارہ پر ٹھیک چالیس درجہ عرض بلد اور ایک سو بیس درجہ طول بلد پر ختم ہوئی ہے طول اس دیوار کا بارہ سو سے پندرہ سو میل کا بیان ہوا ہے۔

حال سلطنت چی وانگ ٹی

چین کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فغفور ای چن کے مرنے کے بعد تیرہ برس کی عمر میں

خراج اس بات پر کہ بناوے تو ہم میں اور اُن میں ایک سد (یعنی آڑ) (۹۳) ذوالقرنین
نے کہا کہ جتنی قوت مجھکو دی ہے اُس میں میرے پروردگار نے بہتر ہے پر میری
مدد کرو ساختہ قوت کے بنادوں میں تم میں اور اُنمیں ایک مضبوط دیوار (۹۴)

چی وانگ ٹی ۲۴۶ قبل مسیح میں تخت پر بیٹھا اور لی زہی نامی ایک عاقل شخص کو اپنا وزیر مقرر کیا۔
اسکی سلطنت دو زمانوں پر منقسم ہوتی ہے پہلا زمانہ وہ ہے جبکہ اس بادشاہ نے اپنی تمام ہمت
روپیہ جمع کرنے اور ہر قسم کا سامان اکٹھا کرنے میں صرف کی اور دوسرا زمانہ وہ ہے جبکہ اُسنے
ہر قسم کا سامان جمع کرنے کے بعد ملک گیری اور فتوحات نمایاں حاصل کیں۔ اُسکی اس حالت کا صاف
اشارہ قرآن مجید سے پایا جاتا ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے انا مکناله فی الارض و
اتیناہ من کل شئ سببا فاتبع سببا۔
یعنی ہمنے دی اُسکو قدرت زمین میں اور ہمنے دیا اُسکو ہر چیز کا سامان پھر وہ درپے ہوا
سامان کے یعنی سامان جمع کرنے کے۔ یہ فقرہ قرآن مجید کا اور خصوصاً الفاظ فاتبع سببا بالکل
اُس بادشاہ کے پہلے قرن یا زمانہ کی ہسٹری بتاتے ہیں۔
مکنا کی لفظ سے اور من کل شئ کے لفظ سے قدرت فی الدین سمجھنا اور پھر قدرت فی الدین کو نبوت
قرار دینا اور اوس بادشاہ کی نسبت یہ بحث کرنا کہ وہ نبی تھا اور پھر اُسکے نبی ہونیکو ترجیح دینا ایسی دور از کار خیالات
ہیں جنکا ذرا بھی اشارہ قرآن مجید سے نہیں پایا جاتا اور جو شاعرانہ خیالات سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔
انا مکناله فی الارض میں جو لفظ فی الارض کا آیا ہے اُس سے تمام دنیا یا از شرق تا غرب
افق مراد لینا جبکہ وہ لفظ ایک بادشاہ کی بادشاہت کے حال میں آیا ہے اُس شاعرانہ خیال سے بھی
زیادہ عجیب ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ لفظ الارض کا خاص ملک پر بلکہ خاص زمین پر اطلاق ہوا
ہے جن لوگوں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی اور وہیں کافر مرے اُنسے فرشتے پوچھیں گے
فیم کنتم یعنی تم کس حال میں تھے وہ کہیں گے مستضعفین فی الارض یعنی ہم لاچار تھے
زمین میں یعنی مکہ میں لاچار و مغلوب تھے فرشتے کہیں گے الم تکن ارض الله واسعة

آتُونِی زُبَرَ الْحَدِیْدِ حَتّٰٓی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰٓی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْہِ قِطْرًا ﴿۹۵﴾

فتھاجروا فیھا یعنی کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی تا کہ تم اُس میں ہجرت کرجاتے۔

یہ تو ایک مثال ہے بیسیوں جگہہ قرآن مجید میں الارض کا لفظ خاص ملک پر اطلاق ہوا ہے پس مکنالہ فی الارض سے صاف مراد یہ ہے کہ ہمنے اُسکو ایک ملک پر بادشاہت دی تھی۔

سلطنت چین کی ایک بہت وسیع سلطنت تھی تبت اور تمام ملک جو اُسکے قریب واقع تھے جیسے برہما آنام سیام ملایا سب اُس میں شامل اور فغفور چین کے باجگذار تھے۔ چین کی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چوسی انگ فغفور کے وقت میں اکثر صوبے اور باجگذار ملک باغی ہوگئے تھے ای چن جب اُسکا بیٹا تخت نشین ہوا تو اُسنے بعض کو شکست دی مگر کل ملک پر تسلط نہ کرسکا۔

چی وانگ ٹی جو کہ بانی سد کا ہے جب بادشاہ ہوا اور اُسکا پہلا قرن یا پہلا زمانہ سازو سامان اور اسباب قوت اور سطوت سلطنت کے جمع کرنیکا ختم ہوگیا اور اُسکی سلطنت کا دوسرا قرن یا دوسرا زمانہ شروع ہوا تو اُسنے ملک میں فتوحات شروع کیں۔

خدانے فرمایا حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئۃ ووجد عندھا قوما یعنی جب وہ وہانتک پہونچا جہاں آفتاب ڈوبتا ہے تو اُسکو پایا کہ وہ ایک گدلے پانی کے چشمہ میں ڈوبتا ہے اور وہاں اسنے ایک قوم کو پایا۔

مغرب الشمس کے یہ معنی لینے کہ جس جگہہ آفتاب ڈوبتا ہے کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتے کیونکہ آفتاب کہیں نہیں ڈوبتا مگر آدمی ایسی جگہہ پہونچ جاتا ہے جہاں اسکو آفتاب غروب ہوتا معلوم ہوتا ہے۔

امام رازی صاحب نے بھی اس امر پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ دلیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ زمین گول ہے اور آسمان اُس پر محیط ہے اور کچھ شک نہیں کہ آفتاب آسمانیت

لاؤ میرے پاس ٹکڑے لوہے کے۔ یہانتک کہ جب برابر کردیا درمیان دونوں پہاڑوں کے تو ذوالقرنین نے کہا دہکاؤ (یعنی لوہے کی ٹکڑونکو) یہانتک کہ جب اسکو کردیا آگ (یعنی سرخ آگ کی مانند) تو ذوالقرنین نے کہا میرے پاس لاؤ میں ڈالدوں اسپر پگھلی ہوئی دہات کو (۹۵)

اور یہ بھی خدا نے کہا ہے کہ اسکے پاس اسنے قوم کو پایا اور یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی قوم آفتاب کے پاس موجود نہیں ہے اور یہ بات بھی ہے کہ آفتاب کئی مرتبہ زمین سے بڑا ہے پھر کس طرح اسکا زمین کے چشموں میں سے کسی چشمہ میں ڈوبنا عقل میں آسکتا ہے اور جب یہ بات ثابت ہو تو ہم خدا کے اس قول کی کہ تغرب فی عین حمئۃ کی کئی وجہ سے تاویل کرینگے۔

اول یہ کہ جب ذوالقرنین مغرب میں ایک جگہہ پہونچا اور اسکے بعد کوئی معمورہ باقی نرہا تو اسنے آفتاب کو پایا کہ گویا وہ پانی کے چشمہ میں ڈوبتا ہے گو کہ درحقیقت ایسا نہو جسطرح کہ سمندر میں سفر کرنیوالا جبکہ اسکو کنارہ نہ دکھائی دیتا ہو آفتاب کو دیکھتا ہے کہ سمندر میں ڈوبتا ہے حالانکہ وہ سمندر سے بہت دور ڈوبتا ہے یہ وہ تاویل ہے جسکو ابو علی الجبائی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ زمین کی جانب غرب آبادی ہے جو سمندر سے گھری ہوئی ہے تو دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ آفتاب اس سمندر میں ڈوبتا ہے۔

تیسرے یہ کہ اہل اخبار یعنی روایتوں کو تسلیم کرنیوالے کہتے ہیں کہ آفتاب گرم پانی کے چشمہ میں جس میں نہایت گرم اور بہت زیادہ پانی ہے ڈوبتا ہے یہ قول نہایت بعید ہے اسلئے کہ جب ہم کسوف قمری کو رصد کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب کے رہنے والے کہتے ہیں کہ کسوف شام کے وقت ہوا ہے اور مشرق کے رہنے والے کہتے ہیں کہ صبح کے وقت ہوا ہے پس ہمنے جانا کہ مغرب کے رہنے والوں کی جو شام ہے مشرق کے رہنے والوں کے لئے وہ دوسرے دن کی صبح ہے بلکہ جو شام کا وقت ہمارے لئے ہے وہ کسی دوسرے شہر میں عصر کا وقت ہے اور ظہر کا وقت ہے دوسرے شہر میں اور چاشت کا وقت ہے کسی تیسرے شہر میں اور صبح کا وقت ہے کسی چوتھے شہر میں اور آدھی رات ہے کسی پانچویں

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ

شہر میں اور جبکہ بعد تجربہ اور استقرا کے یہ حال معلوم ہے اور اُسپر اعتبار ہے اور ہمنے جان لیا کہ آفتاب ان تمام وقتوں میں نکلا ہوا رہتا ہے تو یہ کہنا کہ وہ دلدل میں ڈوب جاتا ہے ایسا کلام ہے جو خلاف یقین کے ہے اور خدا کا کلام اس تہمت سے پاک ہے بس اب کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم وہ تاویل کریں جو ہمنے بیان کی۔

اب امام صاحب کی اس تقریر پر غور کرو تو نتیجہ اُسکا وہی ہے جو مختصر لفظوں میں ہم نے بیان کیا ہے کہ **مغرب الشمس** سے ایسی جگہہ مراد ہے جہاں سے آدمی کو آفتاب ڈوبتا ہوا معلوم ہو جیسے سمندر میں سفر کرنیوالے کو یا سمندر کے مشرقی کنارہ پر کہڑے رہنے والے کو سمندر میں آفتاب ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

اب ملک کے جغرافیہ پر نظر کرو جب یہ بادشاہ فتوحات کرتا ہوا برہما اور ملایا کے کنارہ پر پہونچا تو اُسکے جانب غرب خلیج آف بنگالہ تہا تو اُسنے وہاں ملایا قوم کو پایا اور آفتاب کو فی علین حمئۃ یعنی خلیج بنگالہ میں ڈوبتا ہوا دیکہا سمندر کا پانی خود میلا اور کیچڑ سا دکہائی دیتا ہے اور سورج کے غروب ہوتے وقت اُسکی شعاعوں سے اُسپر سُرخی جہلکتی ہے اور اسی واسطے اُسکو علین حمئۃ سے تشبیہہ دی ہے۔

پہر خدا نے کہا کہ " قلنا یا ذا القرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیہم حسنا قال اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الی ربہ فیعذبہ عذابا نکرا و اما من امن وعمل صالحا فلہ جزاء الحسنی وسنقول لہ من امرنا یسرا "

یعنی ہمنے کہا اے ذوالقرنین اُس قوم کو جو یہاں ملی ہے غالبًا ملایا کے لوگوں کو یا تو عذاب دے (یعنی سزا دے) یا اونپر احسان رکہہ (یعنی معاف کر) اُسنے کہا جس کسی نے

پہر نہ کرسکے یاجوج وماجوج کہ اُسپر چڑہ آوین اور نکرسکے کہ اُسمین سوراخ کرین (۹۶) ذوالقرنین نے کہا کہ یہہ رحمت ہی میری پروردگا کیطرف سی (۹۷) پہر جسوقت آویگا وعدہ میری پروردگار کا کردے گا اُس کو زمین کے برابر

زیادتی کی ہے اُسکو ہم عذاب یعنی سزا دینگے پہر لوٹا دیا جاویگا اپنے پروردگار کے پاس (یعنی مار ڈالا جاویگا) پہروہ اُسکو عذاب دیگا عذاب سخت اور جو کوئی ایمان لایا (یعنی فرمانبرداری کی) اور اچہا کام کیا تو اُسکے لئے اچہا بدلہ ہے اور ہم کہونگا (یعنی حکم دونگا) اُسکے لئے اپنے معاملات میں سہولیت کا۔

یہ بیان اس بادشاہ کے سلوک کا ہے جو اُس نے اپنی مفتوحہ قوم کے ساتھ کیا قلنا یاذاالقرنین سے یہ سمجہنا کہ خدا نے اُس بادشاہ سے کلام کیا تہا صحیح نہیں ہے قرآن مجید میں ایسے مقامون پر قلنا کا لفظ بمعنی مقدر کرنا کے آتا ہے جیسے کہ خدا نے اُن یہودیون کی نسبت جنہوں نے سبت کے دن زیادتی کی تہی فرمایا ہے قلنا لہم کونوا قردۃ خٰسئین اسی طرح اُسکے جواب میں قال کا لفظ آیا ہے پس اس طرح کا استعمال نہ نبوت کی نشانی ہے اور نہ خدا کے ساتھ سوال وجواب ہونیکی دلیل ہے بلکہ جو سلوک کہ اُس فتحمند بادشاہ نے اس مفتوح قوم کے ساتھ کیا اُسکا بیان ہے۔

مذکورۂ بالا بیان سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اس بادشاہ پر دو زمانے ایسے گزرے جنکا اشارہ قرآن مجید میں بہی موجود ہے اور یہ نہایت قوی قرینہ ہے کہ ان ہی مختلف دو زمانون کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اُسکی نسبت ذوالقرنین کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اِس فتح کے بعد اُس نے مشرق کیطرف حملہ شروع کیا اور اُس ملک کے مشرقی کنارہ پر پہونچا چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ثم اتبع سببا حتی اذا بلغ مطلع الشمس وجدھا تطلع علی قوم لم نجعل لہم من دونہا سترا کذلک وقد احطنا بما لدیہ خبرا۔

یعنی پہر اُس نے سفر کا سامان کیا یہانتک کہ جب وہ پہونچا جہان آفتاب نکلتا ہے تو اُسنے اُسے

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ﴿٩٨﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾

قوم پر اُسکو نکلتا ہوا پایا کہ ہمنے اُنکے لئے آفتاب کے ورے کوئی اُوٹ نہیں رکھی یہ حال اُس جگہہ کا تہا اور بیشک ہمنے جان لیا تہا جو کچھ اُسکے پاس وہاں کی خبر پہونچی تہی۔

وقد احطنا بما لدیہ خبرا کی نسبت ابن عباس کی تفسیر میں لکھا ہے قد علمنا بما کان عندہ من الخبر والبیان اِسی کے مطابق ہمنے بہی ترجمہ کیا ہے جو معنی ہمنے ابہی مغرب الشمس کے بیان کئے ہیں وہی معنی مطلع الشمس کے ہیں یعنی وہ ایسی جگہہ پہونچا جہاں اُسکو آفتاب نکلتا ہوا معلوم ہوتا تہا۔

یہ حال مملکت چین کے شرقی کنارہ کا ہے جو بہت بڑے سمندر سے گہرا ہوا ہے جب آفتاب نکلتا ہے اُس کنارہ کے رہنے والوں میں اور آفتاب کو نکلتا ہوا دکہائی دینے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی سمندر کے پانی کی صاف سطح ہوتی ہے اور آفتاب کا نکلنا بغیر کسی حجاب کے اُن ہی لوگوں پر ہوتا ہے۔

اِس طرف کے ملک کے لوگوں کو زیر کرنیکے بعد اُس بادشاہ نے پہر سامان درست کیا چنانچہ خدا فرماتا ہے ثم اتبع سببا حتی اذا بلغ بین السدین وجد من دونہما قوما لا یکادون یفقہون قولا۔

یعنی پہر اُسنے سامان سفر کیا یہانتک کہ جب وہ پہونچا دو سدوں یعنی دو پہاڑوں میں تو اُسنے اُنکے ورے ایک قوم کو پایا کہ بمشکل اُنکی بات سمجہتے تہے۔

یہ مقام مملکت چین کے شمالی حد پر ہے اور جس قوم کا ذکر ہے وہ تاتاری اور قدیم ستہیا کی رہنے والی تہی جو غارتگری اور لوٹیرے پن میں مشاق اور لوٹ مار کی عادی تہی اُنکی زبان چین کے رہنے والوں سے مختلف تہی۔

اور ہے وعدہ میرے پروردگار کا سچ (۹۸) اور چھوڑ دیا ہمنے اُنکے (یعنی مخلوقات[۱] کے) بعضوں کو آج کے دن جو گڈمڈ ہو رہے بعضوں میں اور پھونکا جاویگا صور پھر انکو اکٹھا کرینگے سب کو (۹۹) اور سامنے لاوینگے ہم جہنم کو اُسدن کافروں کیلئے سامنے لانا (۱۰۰)

جب وہ بادشاہ اِس مقام پر پہونچا تو لوگوں نے کہا جو قرآن مجید میں مذکور ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے

قالوا یا ذا القرنین ان یاجوج وماجوج مفسدون فی الارض فھل نجعل لک خرجا علی ان تجعل بیننا وبینھم سدا قال مامکنی فیہ ربی خیر فاعینونی بقوۃ اجعل بینکم وبینھم ردما۔

یعنی اُن لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین بیشک یاجوج و ماجوج فساد کرنیوالے ہیں زمین یعنی ملک میں پھر کیا ہم تیرے لئے کوئی محصول (یعنی ٹیکس یا باجھ) مقرر کریں اس بات پر کہ تو بنادے ہم میں اور اُنمیں سد (یعنی فصیل یا دیوار یعنی ایسی روک کہ وہ ہمارے ملک میں نہ آسکیں) اُس بادشاہ نے کہا کہ خدا نے جو مقدور مجکو دیا ہے وہ بہت اچھا ہے (یعنی کافی ہے محصول لگاکر روپیہ لینے کی ضرورت نہیں) پھر تم میری مدد کرو محنت کرنے سے میں بنادونگا تمہارے اور اُنکے بیچ میں مضبوط دیوار۔

پہلی بات اِس آیت میں جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ قالوا یا ذا القرنین کسکا قول ہے مفسروں کا یہ خیال ہے کہ یہ اُسی قوم کا قول ہے جو اُس جگہہ ملی تھی اور جسکی نسبت کہا گیا ہے لایکادون یفقھون قولا مگر یہ خیال ہرگز صحیح نہیں یہ قول اُن لوگوں کا ہے جو سرحد چین کے اندر اور فغفور کے ملک میں رہتے تھے اور اُسی قوم کی لوٹ مار کے بچنے سے جسکی نسبت کہا گیا ہے لایکادون یفقھون قولا دیوار بنوانا چاہتے تھے۔

دوسری چیز جو اُس بادشاہ نے علاوہ محنت کے اُنسے چاہی وہ لوہا تھا چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اتونی زبر الحدید۔ حتی اذا ساوی بین الصدفین قال انفخوا حتی اذا جعلہ نارا قال اتونی افرغ علیہ قطرا۔

[۱] بعضھم بعض الخلق (کشاف)

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

یعنی لادو مجھکو لوہے کے ٹکڑے۔ یہانتک کہ جب وہ دونوں پہاڑوں میں برابر کر چکا تو کہا دہونکو یہانتک کہ جب اُس لوہے کو آگ یعنی لال کر دیا تو اُسنے کہا مجکو لادو میں اُسپر ڈال دوں پگھلی ہوئی دہات یعنی تانبا یا پیتل یا سیسہ۔

یہ آیتین نہایت صاف ہیں مگر مفسرین نے انکو عجیب طرح پر بیان کیا ہے۔ قرآن مجید میں جو لفظ زبر الحدید آیا ہے اُسکے معنی لوہے کی تختی یا لوہے کی اینٹیں قرار دئے ہیں اور پہر یہ قرار دیا ہے کہ اُن لوہے کی اینٹون کو اوپر تلے رکھہ کر بطور دیوار کے چنا اور اُسکو پہاڑ کی چوٹی تک اونچا کر دیا اور جب وہ پوری ہوگئی جسکی لنبائی پندرہ سو میل کے قریب تھی) تو آگ جلا کر اُس دیوار کو آگ کے مانند کر دیا یعنی جیسے لوہا آگ میں جلانے سے لال مثل آگ کے ہوجاتا ہے اسطرح ساری دیوار مثل آگ کے ہوگئی۔ پہر اُس دیوار پر پگھلا ہوا تانبا ڈالا اور وہ درزون میں بیٹھکر جم گیا اور سب ملکر لوہے کی ایک ڈال دیوار یا ایک ڈال مثل لوہے کے پہاڑ کے ہوگئی۔

یہ تفسیر ایسی ہے جو نہ عقل میں آسکتی ہے اور نہ قرآن مجید کی آیتوں میں اس خارج از عقل کارستانی کا اشارہ پایا جاتا ہے کسی طرح قرآن مجید سے نہیں پایا جاتا ہے کہ وہ دیوار لوہے کی اینٹون سے چُنی گئی تھی لوہا بلاشبہ دیوار کے بنانے میں کام میں لانے کو منگوایا گیا تھا مگر یہ بات کہ اُس لوہے سے دیوار چُنی گئی تھی ہرگز قرآن مجید میں نہ مذکور ہے نہ اُس کی طرف اشارہ ہے۔

یہ دیوار جو سد کے نام سے مشہور ہے پہاڑی ملک میں بنائی گئی تھی اور کچھ شبہ نہیں کہ پتھرون کی چٹانون سے بنائی تھی مگر پتھروں کی چٹانوں کے مضبوط کرنے اور ایک کو دوسرے سے

جن لوگوں کی کہ تھیں آنکھیں اُنکی پردہ میں میری یاد سے اور وہ نہیں سُن سکتے تھے (۱۰۱) کیا پھر گمان کیا ہے اُن لوگوں نے جو کافر ہوئے کہ پکڑیں میرے بندوں کو میرے سوا دوست بیشک ہمنے تیار کی ہے جہنم کافروں کے لئے اوترنیکو (۱۰۲)

جوڑنے کو لوہا درکار تھا اُسکی نسبت اُس بادشاہ نے کہا کہ لوہے کے ٹکڑے مجکو لا کر دو۔

اس دیوار کو بنے اکیس سو بائیس سو برس گزرے ہونگے اُس زمانہ کی بہت سی عمارتوں کے نشان اور کھنڈر اب بھی موجود ہیں۔ پتھر کی چٹانوں کی دیوار بنانے کا اور اُسکو مضبوط کرنیکا کہ کوئی پتھر دیوار میں سے نکالنے سے نہ نکل سکے یہ دستور ہے کہ دو چٹانوں کو برابر رکھکر دونوں کے سروں کے پاس سوراخ کرتے ہیں اور اُن میں لوہے کے پاؤں لگاتے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے جڑ جاوے اور نکالنے سے نکل نہ سکے اور اُس لوہے کے پاؤں کو جسکا ایک سرا ایک چٹان کے چھید میں اور دوسرا دوسری چٹان کے چھید میں رہتا ہے آگ سے لال کر کے اُن چھیدوں میں لگاتے ہیں اور کوئی پگھلی ہوئی دہات اُن چھیدوں میں ڈال دیتے ہیں تاکہ پاؤں کے سرے چھیدوں میں جم جاویں اور پتھر نکلنے نہ پاویں اور کسی طرح بغیر دیوار کے منہدم کئے نہ دیوار میں چھید ہو سکے اور نہ کوئی پتھر ٹل سکے۔

قرآن مجید کے اِن لفظوں کا کہ حتیٰ اذا ساوی بین الصدفین یہ معنی سمجھنے کہ جب وہ دیوار دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر اونچی ہوگئی تھی صحیح نہیں ہے بلکہ ساوی بین الصدفین کا اطلاق دونوں پہاڑوں میں دیوار کی بنیاد کے برابر کرنے پر صادق آتا ہے اور بنیاد کو برابر کر کے اُسپر ردہ لگایا جاتا ہے۔ پس قرآن مجید کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ اُسنے دونوں پہاڑوں کے بیچ میں دیوار کو برابر یعنی موافق محاورہ عمارت لیول میں یعنی تیسال میں کیا اور اُسپر جو ردّہ لگایا تھا اُس میں لوہے کے پاؤں لگانے کی غرض سے کہا کہ لوہے کو پھونکو اور جب وہ مثل آگ کے لال ہو جاوے اُسکو لگاؤ اور اُسپر پگھلی ہوئی دہات ڈال دو پس یہ دیوار اسی طرح پر بنی ہے جس طرح عموماً اس قسم کی دیواریں بنتی ہیں عجیب بات اس میں جو ہے وہ یہی ہے کہ

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا (۱۰۳) الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (۱۰۴)

پندرہ سو میل کے قریب لمبی ہے۔ اور پہاڑوں میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور میدانوں میں اور دریاؤں پر برابر بنتی چلی گئی ہے۔

اس دیوار کی مضبوطی ظاہر کرنیکو خدا نے فرمایا فما اسطاعوا ان یظھروہ وما استطاعوا لہ نقبا قال ھذا رحمة من ربی فاذا جاء وعد ربی جعله دکاء وکان وعد ربی حقا۔

یعنی پھر قوم یاجوج و ماجوج اوس پر چڑھ نہ سکی اور نہ اوس میں نقب لگا سکی اُس بادشاہ نے کہا کہ یہ دیوار ایک رحمت ہی میرے پروردگار کی پھر جب میرے پروردگار کا وعدہ آویگا تو اسکو ریزے ریزے کر دیگا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے۔

ان آیتوں کی نسبت مفسرین نے محض بے سند اور افواہی کہانی آمیز روایتوں سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یاجوج و ماجوج اس دیوار کے توڑنے کے درپے ہیں آنحضرت صلعم کے زمانہ میں روپیہ برابر سوراخ کر چکے تھے جب حضرت عیسی آسمان پر سے اتر ینگے اُسوقت وہ اسکو توڑ کر نکلیں گے گویا یہ وعدہ ہے خدا کا جو اس آیت میں مذکور ہے اور جب وہ نکلیں گے تو تمام دنیا کو لڑائی سے عاجز کر دیں گے آسمان پر تیر چلاوینگے وہ لہو بھرے آوینگے آخر کو حضرت عیسی کی بددعا سے سب مر جاوینگے۔

یہ محض بے اصل کہانیاں ہیں اب اس زمانہ میں تمام تاتار پر جو یاجوج و ماجوج کی قوم ہے چینیوں کی عملداری ہے جو چینی ترکستان کے نام سے موسوم ہے۔ یاجوج و ماجوج یعنی تاتاری تمام دنیا میں پڑے پھرتے ہیں نہ کسی کے کان بڑے ہیں اور نہ کسی کا گوشت کھاتے ہیں خاصے بھلے چنگے آدمی ہیں۔

جسطرح کہ خدا تعالی جابجا فرماتا ہے کہ اخیر کو تمام چیزیں فنا ہو جاوینگی اسی طرح اس دیوار کی نسبت بھی فرمایا ہے جیسے کہ زمین کی نسبت فرمایا کلا اذا دکت الارض دکا دکا وجاء ربک والملک

کہدے کیا خبر دون میں تم کو بہت زیادہ ٹوٹے والوں کے اعمال میں (۱۰۳) وہ لوگ ہیں کہ کھوئی گئی کوشش انکی دنیا کی زندگی میں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھا کرتے ہیں کام (۱۰۴)

صفا صفا۔

مسٹر جمس کارکرن نے ایک چینی تاریخ کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے اُس تاریخ میں اس بادشاہ اور اس دیوار کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

تاریخ چین جمس کارکرن

ای چن کے بعد چی وانگ ثانی فغفور ہوا اور اکثر ختائی مورخوں کی روایت ہے کہ وہ ای چن کے نطفے سے نہ تھا کیونکہ اُسکی ماں جب ایک مرد سوداگر سے حاملہ ہو چکی تھی تب اُسنے فغفور کے ہاتھ اُس عورت کو بیچا تھا اور اُس شخص نے یہ حرکت اس اُمید سے کی تاکہ تمنا دل کی پوری ہووے اور اپنی اولاد کو تخت پر دیکھے اگرچہ یہ امر بعید القیاس نہیں ہے لیکن شبہ اس نقل کی راستی پر اسی جہت سے ہوتا ہے کہ علمائے ختا سبب ایک سانحے کے جو ذیل میں مذکور ہے اسکے نام پر تبرا اور لعنت کرتے ہیں اور یہ فقرہ اُسکے حرامزادے ہونیکا تو ہیں کے قصد سے اُنھوں نے طیار کیا ہے غرض یہ تحقیق ہے کہ سوداگر نے فغفور آئے چن سے یہ دوستی بڑہائی اور اپنی لیاقت اسطرح اُسکے نزدیک ظاہر کی کہ ای چن نے خدمت وزیر اعظم کی اُسے دی پھر جب فغفور نے انتقال کیا وہی لڑکا تیرہ برس کی عمر میں گدی پر جلوہ بخش ہوا اور ایسے بہادر اور بدر فغفور گنتی کے دو تین ہی ہوئے ہیں اور ایسا ایسا کام اُسنے کیا کہ نام اُسکا قیامت تک رہ جائیگا۔

اعیان دولت سے ایک شخص بنام لی نزہی غیر ملکی تھا یعنی وطن اُسکا ریاست فغفور سے باہر دوسرے ایک سلطان کی حد میں واقع تھا جب فرمان اس مضمون کا نکلا کہ جتنے غیر ملکی اس سرکار کی ریاست میں آئے ہیں سب اپنے اپنے وطن کو چلے جاویں تب اس لی نزہی نے ایسی ایک عرضی حضور میں گزرانی اور ریاست میں اغیار کے رہنے سے جو فائدے متصور تھے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ

سب کو اس خوبی اور فصاحت کے ساتھ اُسنے بیان کئے کہ فغفور نے اپنے حکم کو دوسرے ہی روز منسوخ کیا اور لی نہی کو وزیر اعظم بنایا اور اسی کی صلاح سے بادشاہ نے تمام سلاطین کو سر کیا اور شہنشاہ ختا اصل حقیقت میں ہوا۔ اسکی صورت اس طور سے ہوئی کہ پہلے کئی برس تک فغفور نے اپنی اخراجات کو حد اعتدال پر رکھا لڑائی بھڑائی سے وہ باز رہا اور خزانہ کو خوب ہی معمور کیا جب دولت بامراد حاصل ہوئی فغفور نے ریاستی شروع کی اور سلاطین میں زر کے وسیلہ سے بگاڑ ڈلوا دیا اور جب ایک دوسرے سے لڑکر قریب تباہی کے پہونچا اور اُسکا حریف بھی علی ہذا القیاس ضعیف ہوا تب فغفور نے کوئی بہانہ کرکے دونوں سے یا ایک سے بگاڑ کیا اور آناً فاناً میں اُسکا ملک چھین لیا اور اسی تدبیر سے تمام سلاطین کو اسنے بے تخت و تاج کیا اور ساری مملکت خطا کا مالک ہوا اور شہنشاہ اُسی وقت سے کہلایا اور حالانکہ دولت و ملکیت خواہش سے زیادہ ہاتھ آئی تھی اور تبت بزرگ کی حد سے مشرقی سمندر تک اور ملک تاتار سے بحر جنوب تک کی حکمرانی ہوئی لیکن آرام و عیش طلبی مطلق مزاج میں نہ سمائی باوجودیکہ مکانات عالیشان اُسنے بہت بنائے اور بیغایت تکلفات سے آراستہ کیا اور باغات میں بھی علی ہذا القیاس سامان بے پایان عیش و نشاط کا مہیا کر دیا اُس پر بھی یہ قاعدہ تھا کہ چند آدمی کو لئے پوشیدہ جاتا تھا اور احوال وہانکے حکام عدالت اور تحصیل اور محاصل زراعت کا خود دریافت کرتا تھا اور شوق اُسکے دل میں یہی تھا کہ مملکت ختا کا سر نو بند و بست کرے اور قدیم فغفوروں کی روئیے پر نہ چلے اور اس ارادے سے جب دستورات قدیم سے اندک فرق کرتا تھا علما کا شور اُٹھتا تھا کہ فلانی بات یاو اور منن اور یو کی خلاف حکم کے ہے اُسکو کرنا امتناع ہے اور یہ روک ٹوک جب فغفور کو ناگوار گزری لی نہی سے اُسنے مشورت کی اور وزیر نے تمام کتب قدیم کو جمع کرکے آگ لگا دینے کی صلاح دی اور یہی بات وقوع میں آئی اس سبب سے تاریخ خطا کے اکثر مقامات میں اغلاق واقع ہوا ہے اور بہت سے

یہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اپنے پروردگار کی نشانیوں سے اور اُسکے ملنے سے
پس نابود ہو گئے اُنکے عمل پھر نہ ٹھیراوینگے ہم اُنکے لئے قیامت کے دن کچھ وزن (۱۰۵) یہی سزا اُنکی
جہنم

احوال کو مورخوں نے فقط یاد سے لکھا ہے اور یہ حرکت خطائی علما اور شعرا کو ایسی بُری معلوم ہوئی کہ
چی وانگ ٹی اور شیطان میں اُنہوں نے فرق نہیں کیا اور ولد الزنا ٹھیرا ئیکے علاوہ ابلیس مجسم کا
لقب اوسکو دیا ہے حقیقت میں اوکی ہجو بے سبب نہین تھی کیونکہ ایک تو کتب قدیم کے نقصان
کرنے اور سب فاضلوں کے گھر سے کتاب جبرا منگوا کے جلادینے کی حرکت اُسنے کی ہی تھی
علاوہ اِسکے چارسو ساٹھ علماے کو اِسی قصور پر اُسنے جیتا گڑوادیا کہ اپنے اپنے کتب خانے کو
بادشاہ کے پیادوں کے حوالہ اُنہوں نے نہیں کیا تھا سواے اِسکے اُسنے خوف
فغفور کو یہ تھا کہ اگر زندہ رہینگے تو حافظے سے اُن کتابوں کو پھر لکھیں گے اور ہمکو عاجز کرینگے
غرض طیش میں اگرچی وانگ ٹی نے یہ خون ناحق کیا اور بے رحم اور سنگدل اور خونخوار بجا کہلایا
لیکن ان عیبوں کے ساتھ اتنا تھا کہ خطایس اگر پانچ چار فغفور متواتر اِسی طرح کے ہوتے تو واللہ
اعلم کیا کیا وہ نہ کرتے اور کس کس ملک کو عمل میں نہ لاتے القصہ جب گشت و خون اور لڑائی
بھڑائی سے فارغ ہوا اور انتظام ملک کا تردد کرچکا ہمیشہ جینے اور باقی رہنے کی ہوس اُسکے
دل میں از بس پیدا ہوئی اور اِس خیال باطل کو خوشامدیوں نے ترقی دی آخرالامر چند نوجوان
مرد اور عورتوں کو اُس مشرقی سمندر کی طرف روانہ کیا اسلئے کہ سُن چکا تھا کہ اودھر کے
جزیروں میں ایک جزیرہ ایسا تھا کہ وہاں کے چشمے کا پانی جسنے پیا مرگ اُسکے نزدیک نئیں
آئی غرض وہ لوگ گئے اور پھر آئے اور اُن کا بیان یہ تھا کہ مشرقی سمندر میں طوفان نے آگے بڑہنے
نہ دیا لیکن ایک مردک کا جہاز چونکہ طوفان میں بحر سے الگ ہو گیا تھا اُسنے چندے بعد آنکر یہ فقرہ
سُنایا کہ منزل مقصود تک پہونچا تھا لیکن چشمہ اُس ایام میں جاری نہ تھا غرض اسکے ہاتھ ایک
کتاب آئی تھی جس میں یہ بات اُسنے لکھی پائی کہ چین کا گھرانا اُس خاندان کے ہاتھ سے
تباہ ہوویگا جسکا نام ھو کے لفظ سے شروع ہے اِس واہیات بات کے اعتبار پر فغفور نے

بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ

فوراً جنگ کا سامان تیار کیا اور چونکہ ایک قوم تاتار کا نام ھوانگ نو تھا اور پہلے حروف ہوتے تھے دفعتاً
اُنکے ملک پر چڑہ گیا اور چونکہ اچانک جا پہونچا اور سب کو بے فکر پایا اس سبب سے اونکو پامال کیا
ڈالا اگر پیشتر سے خبر اونکو ملتی تو شاید شکست نہ ہوتی بلکہ غالب ہے کہ وہ تاتار خونخوار سب فغفور کو نہایت
تنگ کرتے کیونکہ وے بڑے جنگی او صحرا کے رہنے والے تھے اور لوٹ تاراج سے اُنکی
اوقات اور شکار پر اُنکی گزران تھی اور ہر وقت گھوڑون پر سوار ہاتھ میں تیر کمان تلوار لیئے خونخوار بنے
رہتے تھے اگرچہ وہ بھی قوم خطا سے تھے چنانچہ بعض مورخ کہتے ہیں کہ شہزادہ چینکو لی خاندان
ھیا کے تباہ ہونے سے صحراے تاتار میں جا چھپا تھا اور بعض کا بیان ہے کہ اُسی ھیا یعنی یو
کے گھرانے کا وہ شہزادہ باپ سے روٹھہ کر صحرا میں چند آدمیوں کو لیکے چلا گیا تھا وہی جد اُن
لوگون کا تھا لیکن صحرا کی آب و ہوا کی خاصیت اور قنات کے نیچے بود و باش کرنے اور کچے گوشت
کھانے اور رات دن کمر بند رہنے کی عادتون نے اُنکو ایسا مضبوط بنایا تھا کہ شہری خطائیون
سے اور اُنسے کچھ نسبت باقی نہ رہی اور اُنکی گروہ ایک دوسری قوم ہوگئی اور یہی لوگ تھے کہ کسریٰ
اور سکندر بھی اُنکے بہادری او مضبوطی اور سپہ گری کے قائل ہوئے اور اُنسے باج نہ لے سکے
اور اِسی قوم کے پہلوانون سے رستم اور اسفندیار کا مقابلہ ہوا اور افراسیاب بھی تاتاری ہی تھا یہ
لوگ تیراندازی اور تلوار کے دھنی تھے اور اُنکے گھوڑے بجلی تھے اور اُنسے جب کسی سے
بگڑتی تھی دشمنون کو لاکھوں گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالتے تھے اور غنیم پر دفعتاً ایسے
جا پڑتے تھے کہ اُن لوگون کو حربہ کرنیکی فرصت نہیں ملتی تھی گویا اجل سامنے موجود ہو جاتی تھی اور اُنکی
رکاوٹ نہ دریا نہ جنگل نہ کوہستان کسی سے ممکن تھی حاصل کلام تاتاری رسالون میں ہر شخص
ایک شہسوار خونخوار تھا اور ان لوگوں نے سیکڑون تختون کو اُلٹ دیا اور جو سامنے پڑا خواہ دشمنی کی
راہ سے خواہ لوٹ تاراج سے وہ بچکے نہیں گیا الغرض چونکہ اُنکا حال اِسی جلد کی تیسرے دفتر

(۱۰۶) بسبب اسکے کہ اُنھوں نے کفر کیا اور اِنھوں نے پکڑا ہماری نشانیوں کو اور رسولوں کو ٹھٹا

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہے اُنکے لئے جنت

ہیں طوالت کے ساتھ ہے یہاں پر اتنا ہی بیان کا موقع تھا کہ نتیجہ غفلت کا معلوم ہووے کہ غافل رہنے سے ایسے تاتار خونخوار ہی مارے پڑے القصہ چی وانگ ٹی باوجود اس شکست دینے کے خوب جانتا تھا کہ یہ قوم موقع پاکر انتقام ضرور لیگی اور تا وقتے کہ بدلہ اور عوض معقول نہ ہووے اس شکست کی یاد ہمیشہ دل کو صدمہ پہونچائیگی اس سبب سے اُسنے دیوار خطا کی بنا کی جسکا تمام احوال عاصی نے جلد اول کے دوسرے دفتر کے چودھویں باب کے چار سے صفحے میں بیان کیا ہے۔

سینتیس برس اُسنے سلطنت کی اور اُسکے ایام انتقال کو مورخون نے سنہ ۲۱۰ قبل مسیح قرار دیا ہے۔

ذکر بنائے دیوار

یہ دیوار قریب آٹھ سو کوس کے لمبی ہے اور سرحد خطا اور تاتار پر واقع ہے اور وجہ اسکی تیاری کی یہ ہوئی کہ جب قوم تاتار نے اُس طرف سے بار بار یورش کر کے خطائیوں کو سخت عاجز کیا اور کوئی تدبیر انکو ضبط کرنے کی نہیں سوجھی تب اُس دیوار کی بنا کی گئی اور فغفور چینگ وانگ ٹی نے دو سو چالیس برس قبل حضرت عیسیٰ کے اِسی شروع کیا اور عرصہ قلیل یعنی صرف پانچ برس میں یہ تمام ہوئی اور حال اُس کا یہ ہے کہ نہ پہاڑ نہ دریا کوئی مانع اُسکی ساخت کا ہوا اور آٹھ سو کوس تک جو موانع سامنے آئے سب کو دفع کرتی ہوئی یہ دیوار اپنی منزل مقصود تک پہونچی ہے اور کئی مقام پر آدہ آدہ کوس کے اونچے پہاڑونکی چوٹی پر سے یہ دیوار کھنچی ہوئی ہے اور بعض جگہہ بڑے بڑے دریا پر پلونکے اوپر سے بہہ گئی ہے اور زیادہ تکلف یہ ہے کہ سمندر کے بیچ سے شروع اسطرح پر ہوئی ہے کہ صدہا جہاز پتھرون سے لدے ہوئے ڈبا دیئے گئے

الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾
قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ
اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾
قُلْ اِنَّمَا

اور اوسپر اوسکی بنیاد قایم ہوئی ہے اور آٹھ سو کوس تک تیس گز اونچی اور اسقدر چوڑی ہے کہ چھہ سوار پہلو بہ پہلو فراغت سے اوسپر گھوڑا دوڑا سکتے ہیں اور سو سو قدم پر دو منزلہ اور سہ منزلہ برج بنے ہوئے ہیں اور جب تک کہ تاتاریون نے اپنی دولت کی بنا خطا میں نہیں ڈالی تہی تب تک ہزار دن تو بین اونپر چڑہی رہتی تہیں اور دس لاکہہ فوجون کی تقسیم تمام برجون میں تہی غرض جب سے قضاے فلکی سے وہی لوگ جنکی یورش کے سبب سے یہ دیوار بنی تہی خطا کے مالک ہوئے تب سے وہان کی فوج موقوف ہوئی اور برج اور دیوار بے مرمت رہنے لگی مگر کئی باتین عجیب وغریب اس دیوار کی ساخت مین ہوئین کہ خطائیون کی حکمت اور قدرت اور مستقل مزاجی کی دلیلین ہین چنانچہ اول یہ کہ معماری کے سرانجام اور بڑے بڑے تختے پتہرون کے ان لوگون نے آدہ آدہ کوس کے بلند پہاڑون پر پہونچاے جہان چڑہنے کا کوئی سہارا نہیں معلوم ہوتا اور کڑارکی کی بلندی ایسی ہے کہ آدمی کی چڑہائی ناممکن نظر آتی ہے اور دوسری بات تعجب انگیز ہے کہ سمندر میں جہان تہاہ گم اور جوش وخروش بحر زخار کا زیادہ ہے وہان کس طرح سے نیو ڈالی گئی کہ دو ہزار برس سے ہلی نہین باوجودیکہ خطا کے سمندر میں ایسا طوفان دس بیس دفعہ ہر سال مین آتا ہے کہ صدہا جہاز اور تخمیناً بارہ چودہ ہزار آدمی سالانہ ان ہی طوفانون میں ہلاک ہوتے ہیں اور زور وشور ہوا کا ایسا ہوتا ہے کہ ایک انگریز با خدا بہت تجربہ کار اور عقلمند کا بیان اس طور پر ہے کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ ایک ہی جہاز کی گلی پر دس ہزار کرنا اور دس ہزار نقارے دفعتاً بجائے جاتے تو اوسی جہاز کی پتوار پر سوا طوفان کے غل اور شور کے ان

فردوس کی ٹھہرنے کو (۱۰۷) ہمیشہ رہین گے اوس مین نہ چاہین گے
اوس سے نکلنا (۱۰۸) کہدے اے پیغمبر اگر ہووے دریا سیاہی
میرے پروردگار کے کلمون کے لئے (یعنی لکھنے کیلئے) تو ہو چکے گا دریا پہلے
اس سے کہ ہو چکین میرے پروردگار کے کلمے اور گو کہ ہم لادین اوسی کی مانند
مدد کے لئے (۱۰۹) کہدے اے پیغمبر کہ

قرناؤن کی آواز کوئی شخص نہین سن سکتا الغرض جس سمندر مین ہر سال دس بیس مرتبہ یہ قیامت
برپا ہو اُس مین اُس دیوار کا قیام عجائبات سے ہے تیسری بات یہ ہے کہ باوصفیکہ آدہی خلقت
سے زیادہ اُس کی طیاری مین مطابق فرمان کے ہر وقت حاضر رہتی تہی لیکن پانچ برس کے
قلیل عرصہ مین اس دیوار کا تمام ہونا تعجبات سے ہے کیونکہ جب ایک انگریز سیاح نے حساب
کیا تو دیکہا کہ اس دیوار کی فقط برجون کی ساخت مین اسقدر اسباب معماری کا صرف ہوا ہے
کہ تمام انگلستان کی ہر طرح کی عمارتون مین جو خرچ ہوا ہے شاید اوسکے مقابلہ مین بہت کم نکلے گا اور
منصفی شرط ہے کہ تمام دیوار مین کسقدر اسباب صرف ہوا ہوگا اور چوتہی بات حیرت افزا یہ ہے
کہ جس جا کے پرے پہنچی ہے وہان سے منزلون تک نہ بستی نہ انسان کی نشانی تہی اور آٹھ
سو کوس تک فقط صحرا اور کوہستان اور جنگل تہا اور وہان پر اس کارخانہ کے لئے لازم ہوا ہوگا
کہ سیکڑون کوس سے مزدورون اور کاریگرون کے لئے رسد اور دیوار کے واسطے سرانجام آوے
اور اس وجہ سے مشکلین دہ گنی ہوئی ہونگی لیکن خطائیون کی حکمت اور استقلال اور ثابت قدمی
سب موانع پر غالب ہوئی اور ایک نشانی ایسی رہ گئی ہے کہ روے زمین پر کوئی یادگار انسان
کی اولوالعزمی کا اسکے مقابلہ مین نہیں ہے بجز اُس نہر بزرگ کے جو خطا مین تین سو بیس کوس
تک بنائی گئی ہے اور جس کے لیے قبلا خان چنگیز کے پوتے کی عقل اور خطائیون کے
علم اور ثابت قدمی پر لاکہ لاکہ درود بہیجنا مقتضاے انصاف ہے ۔ انتہی۔

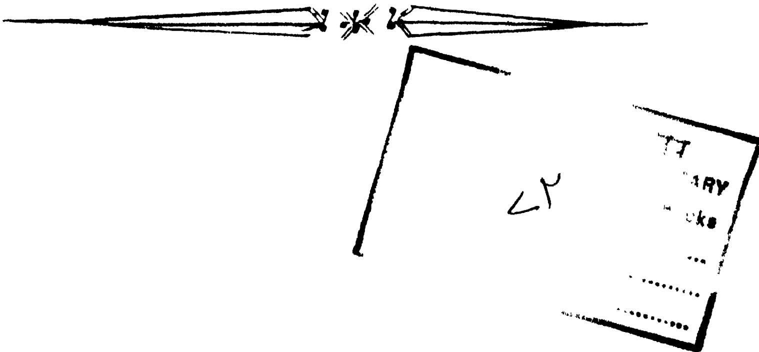
أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿١١٠﴾

یہ بات کچھ کم تعجب کی نہین ہے کہ سکندر کی نسبت بہی کہا گیا ہے کہ جو اوسکا باپ مشہور تھا وہ اوسکا بیٹا نہ تہا اسی طرح چی وانگ ٹی کی نسبت بہی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے مشہور باپ کا بیٹا نہ تہا۔

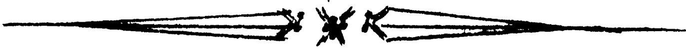
سکندر کی نسبت بہی کہا گیا۔ ہے کہ اوسنے آب حیات کی تلاش کی تہی اور چی وانگ ٹی کی نسبت بہی آب حیات کا ڈہونڈہنا مذکور ہوا ہے۔

اور اسی سے لئے شبہہ ہوتا ہے کہ چی وانگ ٹی کے حالات کو سکندر کے حالات میں ملادیا ہے

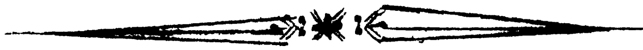
چین ایسا ملک تہا کہ اگلے زمانہ میں بہت کم اُسکی تاریخ معلوم تہی اور ظاہرا یہی سبب ہوا ہے کہ مورخون اور مفسرون کو سد کا مقام بتانے اور اوسکے بنانے کے حالات بیان کرنے میں دہوکا پڑا ہے۔



اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ میں ایک آدمی ہوں تمہاری مانند وحی بھیجی گئی ہے
میرے پاس کہ نہیں اسکے سوا اور کچھ کہ تمہارا خدا خدائے واحد ہے پھر جو کوئی
اُمید رکھے اپنے پروردگار کے ملنے کی تو چاہیئے کہ کام کرے کام اچھے اور نہ شریک کرے
اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو (۱۱۰)



هو المستعان



سوره مریم



در مطبع مفید عام آگره باهتمام محمد قادر علی خان صوفی طبع نمود

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا (۱) اِذْ

نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا (۲) قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ

وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا (۳) وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا (۴)

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ

مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا (۵) يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ

رَضِيًّا (۶) يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اِسْمُهٗ يَحْيٰى (۷) لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ

سَمِيًّا (۸) قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ

---

(۷) (۸) ساتوین آیت میں ہے "یازکریا انا نبشرک بغلم" اس آیت میں بشارت دینے والا کون ہے۔ سورہ آل عمران میں صاف بیان ہوا ہے کہ بشارت دینے والا فرشتہ تھا چنانچہ اُس میں ہے فنادته الملائكة وهو قائم يصلي في المحراب ان الله يبشرك بيحيى۔ آل عمران ۳۹، ۴۰، ۳۳ح حضرت زکریا جب کہ دعا میں مصروف تھے تو ہاتف غیبی نے آواز دی یعنی حضرت زکریا نے ایک آواز دینے والے کی آواز سُنی کہ وہ بیٹا ہونے کی بشارت دیتا ہے۔ ایسے امور کا واقع ہونا فطرت انسانی سے خارج نہیں ہے مگر یہ بات قابلِ غور ہے کہ اسکے بعد کی آیتوں میں جو لفظ "قال" ہے۔ اُس میں کہنے والا کون ہے۔ خدا یا فرشتہ۔ مگر اُسکا کہنے والا خدا ہو یا فرشتہ یہ کچھ بحث کے لائق نہیں ہے۔

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

کہیعص یہ بیان ہے تیرے پروردگار کی رحمت کا اُسکے بندے زکریا پر ① جبوقت کہ پکارا اُس نے اپنے پروردگار کو چھپکر دعا کر کے ② اُس نے کہا اے میرے پروردگار بیشک میری ہڈیاں سُست ہو گئیں اور سر بڑہاپے سے بھڑک گیا ③ اور اے پروردگار میں تجھسے مانگ کر محروم نہیں رہا ④ اور بیشک میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے بعد اور ہے میری بی بی بانجھ پس عنایت کر تو مجھکو اپنے پاس سے ایک وارث ⑤ جو میرا وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا وارث ہو اور اے پروردگار اُسکو ہر دلعزیز بنا ⑥ (خدا نے کہا) اے زکریا بیشک ہم تجھکو خوشخبری دیتے ہیں ایک لڑکے کی کہ اُسکا نام یحییٰ ہوگا ⑦ اور ہم نے تیرے لئے (یعنی تیرے خاندان میں) اس سے پہلے کسیکو اُسکا ہمنام نہیں کیا ⑧ زکریا نے کہا اے پروردگار کیونکر میرے بیٹا ہوگا اور میری بی بی تو بانجھ ہے اور

آٹھویں آیت میں "لہ" کی ضمیر حضرت زکریا کی طرف راجع ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ زکریا کی خاندان میں اس سے پہلے کوئی اس نام کا نہیں ہوا۔ تفسیر ابن عباس میں ہے "لم نجعل له من قبل سمیا ای لم نجعل لزکریا من قبل یحیی سمیا ولدا اسمی یحییٰ" بعض روایتوں میں جو یہ لکھا ہے کہ اس سے پہلے کسی شخص کا نام یحییٰ نہ تھا یہ صحیح نہیں ہے۔

تفسیر کبیر میں یحییٰ نام رکھنے کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت یحییٰ کی ماں (الیشع) حاملہ تھیں حضرت مریم جن کو حضرت عیسیٰ کا حمل تھا اُن سے ملنے کو آئیں۔ الیشع نے حضرت مریم سے کہا کیا تم حاملہ ہو حضرت مریم نے کہا تم کو کسطرح معلوم ہوا کہ میں حاملہ ہوں۔ الیشع

قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۹﴾ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ
عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿۱۰﴾
قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ
لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿۱۱﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ

نے کہا کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے وہ اُس بچہ کو جو تمہارے پیٹ میں ہے سجدہ کرتا ہے۔ اس روایت کے موافق حضرت یحییٰ پہلے شخص ہیں جو حضرت عیسیٰ پر ایمان لائے اور اس ایمان سے اِنکا دل زندہ ہوا۔ اس لئے اُنکو یحییٰ کہنے لگے۔

اسی کے قریب قریب سینٹ لوک کی انجیل میں قصہ بیان ہوا ہے اول تو سینٹ لوک نے اپنی انجیل کے شروع میں لکھدیا کہ جو باتیں کہ لوگ کہتے تھے اُنکو میں اپنی انجیل میں لکھتا ہوں پس نہیں معلوم ہو سکتا کہ وہ قصہ جو سینٹ لوک کی انجیل میں ہے کہاں تک صحیح ہے۔ بہرحال انجیل کے اُس قصہ پر ہمکو بحث ضرور نہیں۔ مگر عیسائیوں کی روایتیں ہیں جنکو تفسیر کبیر میں لکھدیا ہے اسلام کی روایتیں نہیں ہیں اور نہ توجہ کے قابل ہیں۔

ہمارے نزدیک یحییٰ کی وجہ تسمیہ تلاش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے جب حضرت زکریا کو بیٹا ہونیکا یقین ہوا تو بطور تفاؤل کے یحییٰ اُسکا نام رکھنا اُنکے دل میں آیا جیسا کہ اس زمانہ میں بہت لوگ نیک تفاؤل سمجھکر "جینا" "حیاتی" "حیاتن" اپنی اولاد کا نام رکھہ دیتے ہیں۔

(۱۱) ہم نے اپنی تفسیر میں مفصل طرح سے یہ بات ثابت کی ہے کہ آیت اور آیات کے لفظ سے حکم اور احکام جو خدا کی طرف سے ہوتے ہیں مراد ہوتے ہیں۔ پس اس آیت میں اور سورہ آل عمران کی آیت میں جو لفظ آیت کا آیا ہے اُس سے حکم مراد ہے۔ جب حضرت زکریا کو بیٹا ہونیکا یقین ہو گیا تو اُنہوں نے کہا کہ مجکو کوئی حکم بھی دے جسکی میں تعمیل کروں۔ خدا نے کہا کہ تیرے لئے یہ حکم ہے کہ تین رات تک جس میں دن بھی شامل ہے کسی آدمی سے

بیشک میں پہونچ گیا ہوں بڑہاپے سے نہایت ضعیفی کو ⑨ (خدا نے) کہا بات تو یہی ہے تیرے پروردگار نے کہا کہ وہ مجھہ پر آسان ہے اور بیشک میں نے تجکو پیدا کیا اس سے پہلے اور تو نہیں تہا کوئی چیز ⑩ زکریا نے کہا اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی یعنی حکم مقرر کر (خدا نے) کہا کہ تیری نشانی یہ ہے یعنی حکم کہ تو بات نہ کرے آدمیوں سے تین رات پوری بات ⑪ پہر (زکریا) اپنی قوم کے

پورے طور پر کلام مت کر یعنی منہہ سے کچھ مت بول اور اشاروں سے جو کچھ کہنا ہو کہہ دے۔ لفظ سویا سے ہم نے کلاماً سویا کے معنی لئے ہیں ان معنوں کے اختیار کرنے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ سورہ آل عمران میں خدا نے فرمایا ہے "الا تکلم الناس ثلاثہ ایام الا رمزا" یعنی تین دن تک تو آدمیوں سے بات نہ کر مگر اشاروں سے۔ آل عمران کی آیت میں سویا کے بجاے رمزا آیا ہے اور دونوں کا مطلب واحد ہے اور ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے ہوتی ہے۔

اس مقام پر خدا نے یہ بات نہیں بیان کی کہ کلام نہ کرے تو پہر کیا کرے مگر سورہ آل عمران میں فرمایا ہے "واذکر ربک کثیرا وسبح بالعشی والابکار" یعنی اپنے پروردگار کو بہت سا یاد کر اور اپنے پروردگار کے تقدس کا صبح وشام یعنی دن رات ذکر کر۔

پس یہ آیت نہایت صاف ہے اور کوئی مشکل اس میں نہیں ہے مگر مفسرین نے آیت کے معنی معجزہ کے قرار دیکر یہ شبہ کیا ہے کہ بشارت صریح کے بعد کوئی اور معجزہ اُس کی تصدیق کے لئے طلب کرنا صحیح نہیں ہے اور پہر یہ کہا ہے کہ چونکہ بشارت غیر متعین تھی کہ کب لڑکا ہوگا اس لئے معجزہ طلب کیا کہ ولادت کا زمانہ معلوم ہو جاے اور اس آیت سے یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہے کہ وہ تین دن تک گونگے ہو گئے تھے اور بول نہیں سکتے تھے اور گویا یہ نشانی حضرت یحییٰ کی پیدا ہونے کے زمانہ کی تہی کیونکہ اس روایت کی بنیاد سینٹ لوک کی انجیل پر ہے اور اسلامی روایت نہیں ہے۔ یا یہ سمجھنا کہ وہ صرف آدمیوں سے

الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۟ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّىْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ

کلام نہیں کر سکتے تھے ایک توجیہ لاطائل اور غیر ضروری ہے۔

(۱۳) یہ خطاب جو خدا کی طرف سے حضرت یحییٰ کو ہوا یہ اُس زمانہ کا معلوم ہوتا ہے جبکہ وہ بڑے ہو گئے تھے اور وعظ کہنا شروع کیا تھا اور اُس زمانہ میں اُنکی عمر ۳۰ برس کی تھی۔ اس بات کی تو کوئی دلیل نہیں ہے کہ نبوت چالیس برس کی عمر سے پہلے نہیں ہوتی اور حضرت یحییٰ کے حال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۳۰ سال کی عمر میں مبعوث ہوئے تھے۔

اب باقی رہتا ہے ان لفظوں پر بحث کرنا کہ خدا نے جو فرمایا ہے "واتیناہ الحکم صبیا" اسکے کیا معنی ہیں جو کچھ بحث ہے وہ حکم کے لفظ پر ہے۔ مفسرین نے حکم کے معنی مختلف بیان کئے ہیں ایک معنی تو حکمت کے بتائے ہیں جس سے مراد ہے توریت کا سمجھنا اور مسائل فقہی کا اخذ کرنا۔ دوسرے معنی عقل کے بیان کئے ہیں تیسرے معنی نبوت کے بتائے ہیں مگر ہم دوسرے معنی کو تسلیم کرتے ہیں جو معمر ابن عباد سلمی معتزلی نے بیان کئے ہیں کیونکہ جو شخص نبی ہوتا ہے وہ ماں کے پیٹ ہی سے عقل و ذکا لیکر پیدا ہوتا ہے اور اسی سبب سے حضرت یحییٰ کی نسبت کہا گیا "واتیناہ الحکم صبیا"

کے پاس عبادت گاہ سی نکلا پھر اُنکو اشارہ کیا کہ خدا کی تسبیح صبح اور شام کیا کرو ⑪ خدا نی کہا اے یحیی پکڑ پاس کتاب کو زور سی اور ہم نے اُسکو حکم دیا لڑکپن میں ⑫ اور ہمنی اُسکو شفقت دی اپنے پاس سی اور پاکیزگی اور وہ تہا پرہیزگار اور نیکی کرنیوالا اپنے ماں باپ سی اور نہیں تہا سرکش اور نافرمان ⑬ اور سلام ہوا اُسپر جسدن پیدا ہوا اور جسدن مری اور جسدن زندہ ہوکر اُٹھے ⑭ اور ذکر کر کتاب میں مریم کا جبکہ وہ علحدہ ہوئی اپنی لوگوں سی ایک مشرقی مکان میں ⑮ پھر کرلیا اُس نے اُنکی طرف سی پردہ پھر ہم نے بہیجی اُسکے پاس اپنی روح پھر بنگئی وہ روح اُس کے سامنے پورا آدمی ⑯ (مریم نے) کہا میں خدا کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے اگرچہ تو

(۱۶-۱۷) اِن آیتوں میں جو یہ لکہا ہے کہ مریم علحدہ ہوئی اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں اور اُنکی طرف سے پردہ کرلیا اِسکی وجہ کچھ بیان ہونی چاہیئے کہ کیوں ایسا کیا۔ مفسرین نے تو یہ لکہا ہے کہ اُنکو غسل کی ضرورت ہوئی تہی اور اُنھوں نے غسل کرنے کے لئے ایسا کیا تھا اور اِسی قسم کی اور وجہیں لکھی ہیں مگر خود امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھدیا ہے کہ یہ تمام وجوہ قابل اعتبار نہیں ہیں اور آیت کی الفاظ سے کوئی ایسا اشارہ نہیں پایا جاتا جس سے ہم کسی وجہ کو بھی ترجیح دیسکیں۔ اِس کے بعد ذکر آتا ہے فرشتے کے آنیکا جو آدمی کی صورت بنگیا تھا۔ جو لوگ اِس بات کے قائل ہیں کہ فرشتہ کا آنا بطور نفث فی الروع اور الہام اور القاء فی القلب کی طور پر تھا تو وہ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مریم کا علحدہ ہوکر ایک مکان میں جانا عبادت کی غرض سے تھا اور ہماری جو یہ رائے ہے کہ فرشتے کا آنا اور انسان بنکر دکہائی دینا خواب میں واقع ہوا تھا جیسا کہ ہم نے اپنی تفسیر کی دوسری جلد صفحہ ۳۲ میں

> ومن الناس من قال ان ذٰلك كان علےٰ سبيل النفث فى الروع والالهام والالقاء فى القلب كما كان فى حق ام موسى عليه السلام فى قوله و اوحينا الى ام موسىٰ (تفسير كبير جلد ۲ صفحه ۱۵۸)

تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾
قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ
كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ
أَمْرًا مَقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَأَجَاءَ
الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنْتُ
نَسْيًا مَنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ
تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا
جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ﴿٢٦﴾
فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴿٢٧﴾ فَأَتَتْ بِهِ

لکھا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ وہ ایک علیحدہ مکان میں حسب عادت عامہ سونے کی غرض سے گئی تھیں اور جب سو گئیں تو خواب ہی کی حالت میں فرشتہ کا انسان بنکر آنا دیکھا اور خواب ہی میں حضرت مریم اُس سے ہمکلام ہوئیں اور فرشتہ نے اُن سے باتیں کیں۔ اِسکے بعد کی جو آیتیں ہیں اُنکی نسبت مفصل بحث ہم اپنی تفسیر کی دوسری جلد میں لکھ چکے ہیں۔

آیت (۲۲) (۲۳) ،، مکانا قصیا،، سے ظاہراً شہر بیت اللحم سمجھا جاتا ہے جہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے مگر لوک کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکے ٹھیرنے کو کوئی مکان نہیں ملا اور اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی جنگل یا میدان میں ٹھیرے اور کسی درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے جسکی نسبت خدا نے فرمایا ہے ،،فاجاءَ المخاض الی جذع النخلة،، اور دردزہ کی شدت میں حضرت مریم نے کہا ای کاش

پرہیزگار ہو ⑱ (اُس نے کہا میں تو تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجکو دوں ایک پاکیزہ بیٹا ⑲ (مریم نے) کہا کیونکر ہوگا میرے بیٹا حالانکہ مجکو نہیں چھوا ہے کسی آدمی نے اور نہ میں بدکار تھی ⑳ (اُس نے) کہا بات تو یہی ہے تیرے پروردگار نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور ہم اوسکو کرینگے ایک نشانی لوگوں کے لئے اور رحمت اپنی طرف سے اور تھی یہ بات مقرر کی ہوئی ㉑ پھر مریم کو اُس لڑکے کا حمل ہوا اور حاملہ ہو کر ایک دور جگہہ میں چلی گئی ㉒ پھر اُسکو دردزہ ایک کھجور کی جڑ میں لے گیا (مریم نے) کہا ای کاش میں مر چکی ہوتی اس سے پہلے اور میں ملیا میٹ ہوگئی ہوتی ㉓ پھر اُسکو پکارا اُسکے نیچے سے کہ تو غمگین نہ ہو بیشک جاری کیا ہے تیرے پروردگا نے تیرے نیچے ایک چشمہ ㉔ اور ہلا تو اپنی طرف اس کھجور کے تنہ کو۔ گرائے گی وہ تجھ پر کھجوریں تر و تازہ ㉕ اب کھا اور پی اور ٹھنڈی کر آنکھ اور اگر دیکھے تو آدمیوں میں سے کسیکو ㉖ تو کہیو کہ میں نے نذر کیا ہے اللہ کیلئے روزہ پس نہیں بات کرونگی میں آج کے دن کسی انسان سے ㉗ پھر مریم اُس لڑکے کو اُٹھا کر

میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور میں ملیا میٹ ہوگئی ہوتی۔

(۲۴-۲۶) "فناداھا" قرآن مجید سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت مریم کو کس نے پکارا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ "من تحتھا" کی میم کو اگر زیر سے پڑھا جائے جیسے کہ عام قرات ہے تو پکارنیوالا فرشتہ تھا اور اگر میم کا زبر پڑھا جائے جیساکہ بعض قراتوں میں ہے تو اُس سے خود حضرت عیسیٰ مراد ہیں جو اوسی وقت پیدا ہوئے تھے۔ مگر دونوں باتوں میں سے کسی بات کی طرف قرآن مجید میں اشارہ نہیں ہے۔ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے جیساکہ عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت مریم نے ایک اونچی جگہہ پر یعنی ٹیلہ پر وضع حمل کیا تھا اور اُس ٹیلہ کے نیچے سے آواز آئی۔ ہمارے نزدیک آواز دینے والا نہ فرشتہ تھا نہ حضرت عیسیٰ بلکہ کوئی انسان تھا جسنے حضرت مریم کی حالت اضطرار کو معلوم کرکے کہا کہ گھبراؤ مت تمہارے

قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۸﴾ يٰٓاُخْتَ

هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۹﴾ فَاَشَارَتْ

اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۳۰﴾ قَالَ اِنِّيْ

عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۱﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا

اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۲﴾

وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۳﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ

وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۴﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ

مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۵﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ

مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۶﴾

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۸﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ

الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۹﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ

یعنی اس ٹیلہ کے نیچے چشمہ جاری ہے اور کھجور پکی ہوئی ہے اسکو ہلاؤ اور کھجوریں کھا کر پانی پیو۔ اور اسکی

اپنی قوم کے پاس لائی۔ اُن لوگوں نے کہا۔ اے مریم بیشک تو عجیب چیز لائی ہی (۲۸)
اے ہارون کی بہن! تیرا باپ بُرا آدمی نہ تھا۔ اور تیری ماں بدکار نہ تھی (۲۹) پھر اشارہ کیا مریم
نے اُس لڑکے کی طرف اُن لوگوں نے کہا ہم کیونکر بات کریں اُس سے جو تھا ایک لڑکا
گہوارہ میں (۳۰) (عیسیٰ نے) کہا کہ میں ہوں خدا کا بندہ مجکو دی ہے خدا نے کتاب اور
کیا ہے مجکو نبی (۳۱) اور مجکو کیا ہے برکت والا جہاں میں ہوں اور حکم کیا ہی مجکو نماز کا اور
زکوٰۃ کا جب تک کہ میں رہوں زندہ (۳۲) اور نیکی کرنیوالا اپنی ماں کے ساتھ اور نہیں کیا
ہے مجکو (خدا نے) سرکش بدبخت (۳۳) اور سلام ہو مجھ پر جسدن کہ میں پیدا ہوا اور جسدن کہ
میں مروں اور جسدن کہ میں زندہ ہو کر اُٹھوں (۳۴) یہ قصہ ہی عیسیٰ ابن مریم کا سچی بات ہے
جس میں لوگ اختلاف کرتے ہیں (۳۵) خدا کے لئے نہیں ہی کہ وہ لیوے کوئی بیٹا وہ پاک ہے
(یعنی اس بات سی کہ اُسکا کوئی بیٹا ہو) جسوقت وہ کوئی کام کرتا ہے تو صرف اُسکے
لئے یہ کہتا ہے کہ ہو پھر وہ ہو جاتا ہے (۳۶) اور بیشک اللہ میرا پروردگار ہے اور تمہارا
پروردگار پھر اُس کی عبادت کرو یہ ہے سیدھی راہ (۳۷) پھر اختلاف کیا لوگوں نے آپس
میں پھر خرابی ہے اُن لوگوں کے لئے جو کافر ہوئے موجود ہونے سی یوم عظیم (یعنی
قیامت کے دن) کے (۳۸) کیا کچھ سننے والے ہونگے اور کیا کچھ دیکھنے والے
ہونگے جسدن کہ آوینگے ہمارے پاس لیکن ظالم آج کے دن علانیہ گمراہی میں
ہیں (۳۹) ڈرا انکو پچھتانے والے دن سے جب

شخص نے جس نے آواز دی تھی یہ بھی سمجھایا کہ اگر کوئی آدمی تم سے ملے تو اُس سے کلام نہ کرنا اور کہدینا

الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٤٠﴾ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ
وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٤١﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ
إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ﴿٤٢﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ
مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ﴿٤٣﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ
جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٤﴾
يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٥﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي
أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ
وَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِنْ لَمْ
تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ﴿٤٧﴾ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ
سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ﴿٤٨﴾ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا
تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ
رَبِّي شَقِيًّا ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٥٠﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ

حسنہ اسکے نام کا روزہ رکھا اور میں آج کسی آدمی سے کلام نہیں کرونگی۔ اسکے بعد کی آیتوں میں

کام ہو چکے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور ایمان لانیوالے نہیں (۴۰) بیشک ہم وارث
ہونگے زمین کے اور ہر ایک کے جو اُس پر ہے اور ہمارے پاس پھر لائے جاوینگے (۴۱)
اور ذکر کر کتاب میں ابراہیم کا بیشک وہ تھا سچا نبی (۴۲) جسوقت کہ اُسنے کہا اپنے
باپ سے اے میرے باپ کیوں تو عبادت کرتا ہے اُسکی جو نہیں سنتا اور نہیں دیکھتا
اور نہ دور کرتا ہے تجھ سے کوئی چیز (۴۳) اے میرے باپ بیشک میں کہ البتہ مجکو ایک سمجھ
آئی ہے جو تجکو نہیں آئی پھر میری پیروی کر کہ میں تجھ کو ہدایت کروں سیدھی رستہ کی (۴۴)
اے میرے باپ عبادت مت کر شیطان کی بیشک شیطان ہے خدا کا نافرمان (۴۵)
اے میرے باپ بیشک مجکو خوف ہے کہ تجکو پہونچے خدا کی طرف سے کوئی
عذاب پھر تو ہوگا شیطان کا ساتھی (۴۶) ابراہیم کے باپ نے کہا کہ کیا تو مونہہ
پھیرتا ہے ہمارے خداؤں سے اے ابراہیم اگر تو بس نہ کریگا تو البتہ ہم تجکو سنگسار کرینگے
اور مجھ سے دور ہو جا ایک مدت تک (۴۷) ابراہیم نے کہا کہ سلام تم پر میں بخشش مانگونگا
تمہارے لئے اپنے پروردگار سے بیشک وہ مجھ پر مہربان ہے (۴۸) اور میں چھوڑ دونگا
تم کو اور اوسکو جسکی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اور عبادت کرونگا اپنے پروردگار کی اور
امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کرنے سے بدبخت نہیں ہونیکا (۴۹) پس جب ابراہیم
نے اُنکو چھوڑ دیا اور اوسکو جسکی وہ عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا ہم نے دیا اُسکو یعنی ابراہیم کو اسحق اور
یعقوب (یعنی اسحاق بیٹا اور یعقوب پوتا) اور ہر ایک کو ہم نے نبی کیا (۵۰) اور ہم نے دیا اُنکو

جو قصہ حضرت عیسیٰ کا ہے اُسپر ہم مفصل بحث اپنی تفسیر کی دوسری جلد میں کر چکے ہیں۔

مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۱﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوسٰى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿۵۲﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هٰرُونَ نَبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِسْمٰعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿۵۵﴾ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴿۵۶﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿۵۷﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۸﴾ أُولٰئِكَ الَّذِينَ

(۵۷-۵۸) حضرت ادریس کا نام توریت میں اخنوخ لکھا ہے جنکی پیدایش یہودیوں کی روایت سے ۳۳۷۸ سنہ قبل مسیح میں ہوئی اور اُنھی کی روایت کے موافق وہ ۳۰۱۳ سنہ قبل مسیح میں آسمان پر زندہ چلے گئے۔ یہ حضرت نوح کے پردادا ہیں اور آدم کی چھٹی پشت میں ہیں۔ یہودی خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں سب سے اول سینا پرونا لکھنا پڑھنا اُنھوں نے ایجاد کیا تھا۔ اور وہ خیال کرتے ہیں کہ یہی علم حساب اور علم ہیئت کے موجد ہیں۔ اور اسی لئے اُنکو اخنوخ کہتے تھے جسکے معنی معلم کے ہیں اور اُسیکا ترجمہ عربی میں کرکے اُنکو ادریس کہا جاتا ہے۔

اِنکی نسبت قرآن مجید میں آیا ہے "ورفعناہ مکانا علیا" اور توریت کی کتاب پیدایش باب ۵ آیت ۲۴ میں لکھا ہے کہ اخنوخ خدا کے مقرب تھے اور پھر غائب ہوگئے خدا نے اُنکو اُٹھا لیا۔ اِسکے سبب سے مفسرین قرآن مجید نے "ورفعناہ مکانا

اپنی رحمت میں سے اور ہم نے کیا اُنکے لئے سچا بول بالا (۵۱) اور ذکر کر کتاب میں موسیٰ کا بیشک وہ تھا چنا ہوا اور تھا پیغمبر نبی (۵۲) اور ہم نے اوسکو پکارا طور کے داہنی طرف سے اور ہم نے اُسکو نزدیک کیا بھید کی بات کہنے کو (۵۳) اور ہم نے دیا اُسکو اپنی رحمت سے اُسکا بھائی ہارون نبی (۵۴) اور ذکر کر کتاب میں اسمٰعیل کا بیشک وہ تھا سچا وعدہ کا اور تھا پیغمبر نبی (۵۵) اور حکم دیتا تھا اپنے لوگونکو نماز کا اور زکوٰۃ کا اور اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھا (۵۶) اور ذکر کر کتاب میں ادریس کا بیشک وہ تھا سچا نبی (۵۷) اور بلند کر دیا ہم نے اوسکا مرتبہ بہت بلند (۵۸) یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے

علیًا" کے یہ معنی قرار دئے کہ خدا نے اُنکو زندہ آسمان پر اوٹھا لیا مگر قرآن مجید سے یہ مطلب کسیطرح پایا نہیں جاتا مفسرین نے صرف عیسائی روایتوں کی پیروی کر کے یہ معنی قرار دئے ہیں۔ قرآن مجید میں اس سے پہلے صاف بیان کیا ہے کہ حضرت ادریس سچا خلوص خدا کے ساتھہ رکھتے تھے اور اُسی کے ساتھہ بیان کیا "ورفعناہ مکانا علیًا" یعنی خدا نے اُنکا مرتبہ بلند کیا۔ کسیطرح اس آیت سے حضرت ادریس کو زندہ آسمان پر اُٹھا لینے کا مطلب نہیں نکلتا۔

سورہ انبیا میں خدا نے حضرت ادریس کی نسبت فرمایا ہے کہ ہم نے اُسکو اپنی رحمت میں داخل کیا کیونکہ وہ نیک بندوں میں سے تھا۔ اس آیت سے بھی اُنکا درجہ بلند ہونا پایا جاتا ہے نہ زندہ آسمان پر چڑھ جانا۔

حضرت عیسیٰ کی نسبت بھی اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں بلکہ اُس میں ایک جگہہ تصریح سے فرمایا ہے

انعم اللہ علیہم من النبیّن من ذریۃ ادم وممن حملنا
مع نوح ومن ذریۃ ابرٰہیم واسرآءیل وممن ہدینا
واجتبینا اذا تتلٰی علیہم ایٰت الرحمٰن خرّوا سجّدا
وّبکیّا ﴿۵۹﴾ فخلف من بعدہم خلف اضاعوا الصلٰوۃ
واتبعوا الشہوٰت فسوف یلقون غیّا ﴿۶۰﴾ الّا من تاب و
امن وعمل صالحا فاولٰٓئک یدخلون الجنّۃ ولا یظلمون
شیئا ﴿۶۱﴾ جنّٰت عدن التی وعد الرحمٰن عبادہٗ بالغیب
انّہٗ کان وعدہٗ ماتیّا ﴿۶۲﴾ لا یسمعون فیہا لغوا الّا سلٰما و
لہم رزقہم فیہا بکرۃ وّعشیّا ﴿۶۳﴾ تلک الجنّۃ التی نورث
من عبادنا من کان تقیّا ﴿۶۴﴾ وما نتنزّل الّا بامر ربّک لہٗ ما بین
ایدینا وما خلفنا وما بین ذٰلک وما کان ربّک نسیّا ﴿۶۵﴾ ربّ السمٰوٰت

کہ "انی متوفیک ورافعک الیّ" یعنی میں اپنے پاس تجھکو اُٹھالونگا مگر ہم نے اپنی تفسیر کی دوسری جلد میں اسپر مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ رفع سے بلندی قدر و مرتبہ مراد ہی نہ زندہ آسمان پر چلا جانا۔

(۶۵) مفسرین نے اس آیت کو پہلی آیتوں سے کچھ مربوط نہیں کیا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ قریش نے جو حقیقت روح اور قصہ ذو القرنین اور اصحاب کہف آنحضرت سے پوچھا تھا اور آنحضرت نے اُسکے بیان کرنیکا وعدہ فرمایا تھا مگر اُسکے ساتھ انشاء اللہ کا لفظ نہیں کہا اس سبب سے چند روز تک جبرئیل وحی نہیں لائے تھے جب جبرئیل آئے

انعام کیا نبیون میں سے آدم کی ذریت میں سے اور اُن میں سے جنکو ہم نے نوح کی ساتھ چڑہایا اور ابراہیم اور اسرائیل یعنی یعقوب کی ذریت میں سے اور (اونکی ذریت میں سے) جنکو ہم نے ہدایت کی اور جنکو ہم نے برگزیدہ کیا جسوقت اُنکے سامنے خداے رحیم کی آیتین پڑہی جاتین توگر پڑتے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے ۵۹ پھر اُنکے جانشین ہوئے اُنکے بعد بُرے جانشین کہ نماز چہوڑ دی اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی پھر جلد پاوینگے بدلا گمراہی کا ۶۰ مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے تو وہی داخل ہونگے جنت میں اور ذرا بھی ظلم نہ کئے جاوینگے ۶۱ (کس جنت میں داخل ہونگے) ہمیشہ کے رہنے کی جنت میں جسکا اللہ نے وعدہ کیا ہے اپنے بندون سے جسکو اُنھون نے دیکہا نہیں بیشک خدا کا وعدہ پورا ہونیوالا ہی ۶۲ نہ سنینگے اُس میں یعنی جنت میں بیہودہ باتین بجز سلام کے اور اُنکی لئی اُنکا رزق ہوگا جنت میں صبح کو اور شام کو ۶۳ یہ جنت ہے جسکو ہم دینگے اپنے بندونکو جو ہوگا پرہیزگار ۶۴ اور ہم نہیں اُترتے (یعنی نہیں داخل ہوتے جنت میں) مگر تیرے پروردگار کے حکم سے اُسیکے لئی ہے جو کچھہ ہمارے سامنے ہی اور جو کچھہ ہمارے پیچھے ہی اور جو کچھ اسکی بیچمیں ہے اور نہیں ہے تیرا پروردگار بہولنے والا ۶۵ پروردگار ہی آسمانونکا

توحضرت نے اُن سے پوچہا کہ تم اتنے دنون تک کیوں نہیں آئے اُسکے جواب میں جبرئیل نے کہا کہ ہم نہیں آتی بغیر خدا کے حکم کے اور خدا کچھہ بہول نہیں گیا تہا بلکہ ہمکو حکم نہیں دیا تہا۔ مگر یہ سب روایتیں اور اقوال مطلق قابل اعتبار کے نہیں ہیں اور یہ آیت اوپر کی آیتون سے بالکل مربوط ہے۔

پہلی آیتوں میں خدا تعالی نے جنتیون کا حال بیان کیا ہے اور اس آیت میں جنتیون ہی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ یعنی جنتی جنت میں کہین گے کہ ہم جنت میں نہیں آئے بغیر خدا کے حکم کے

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٦﴾ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٧﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿٦٨﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٧٠﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧١﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٣﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ

"بامر ربک" کے معنی وہی ہین جو بامر اللہ کے ہیں لیکن چونکہ خدا نے جنتیون کے قول کو پیغمبر سے نقل کیا ہے اسلیئے بجائے بامر اللہ کے "بامر ربک" فرمایا ہے اور اِن دونون لفظوں کے معنی متحد ہیں۔

تفسیر کبیر میں ابو مسلم خراسانی کا ایک قول اسی کے مطابق نقل کیا ہے اُسکا قول یہ ہے کہ "وما تنزل الا بامر ربک" ممکن ہے کہ اہل جنت کا قول ہو اور اُس سے مراد یہ ہو کہ ہم جنت میں نہیں آئے مگر خدا کے حکم سے جو چیز جنت میں ہمارے سامنے ہے اُسی کی ہے اور جو چیز ہم دنیا میں پیچھے چھوڑ آئے ہیں وہ بھی اُسی کی ہے اور دنیا اور عقبیٰ کے درمیان جو کچھ ہے وہ بھی اُسی کا ہے۔

وقال ابو مسلم قولہ "وما نتنزل الا بامر ربک" یجوز ان یکون قول اهل الجنة والمراد وما نتنزل الجنة الا بامر ربک لہ ما بین ایدینا ای فی الجنة مستقبلاً وما خلفنا مما کان فی الدنیا وما بین ذلک ای ما بین الوقتین (تفسیر کبیر جلد رابع صفحہ ٣٦١)

صاحب کشاف نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ "وما کان ربک نسیا" سے یہ مراد ہے کہ خدا نیک بندوں کو اور اُنکے اعمال کو بھول نہیں جائے گا بلکہ ضرور ہر ایک نیک عمل کی جزا دیگا۔

اور زمین کا اور جو کچھ اُنکے بیچ میں ہے پہر اُسی کی عبادت کر اور اُسی کی عبادت میں صابر رہ
کیا تو جانتا ہے کسیکو اُسکی مانند (۶۶) انسان کہتا ہی کہ کیا جب مین مر جاؤنگا تو نکالا جاؤنگا
زندہ ہوکر (۶۷) اور یاد نہین کرتا انسان کہ ہمنے اُسکو پیدا کیا اُس سے پہلے وہ کچھ نہ تھا (۶۸)
پہر قسم ہے تیرے پروردگار کی البتہ ہم اونکو اوٹھاوینگے اور شیطانون کو پہر ہم اونکو حاضر کرینگے دوزخ
کے گرد گھٹنون کے بل گرے ہوے (۶۹) پہر الگ کرلیں گے ہم ہر ایک گروہ سے جو اُنمیں ہی سب سے
زیادہ سخت خدا کی نافرمانی کرنیمیں (۷۰) پھر ہم خوب جانتے ہیں اُن لوگونکو جو زیادہ لائق ہیں
دوزخ میں ڈالے جانیکے (۷۱) اور نہین ہی کوئی تم میں سے یعنی کافرنمیں سے مگر جا پہونچیگا دوزخ میں
یہ ہے وعدہ تیری پروردگار پر لازمی مقرر کیا ہوا (۷۲) پہر بچاوینگے ہم اُن لوگون کو جو پرہیزگار رہی اور چھوڑ دینگے
ہم ظالمونکو دوزخ میں گھٹنونکے بل گرا ہوا (۷۳) اور جب پڑہی جاتی ہیں اُنپر ہماری کُھلی آیتین تو

(۷۲ - ۷۳) - اِس آیت مین جو لفظ "ان منکم" ہے اور اس مین جو کم کی ضمیر مخاطب ہے اس ضمیر
کی خطاب میں لوگون نے اختلاف کیا ہے۔ جو لوگ کہ یہ کہتے ہیں کہ کل انسان خواہ وہ مسلم ہون
یا کافر مخاطب ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ سب لوگ پہلے دوزخ میں جائیں گے پھر جو مسلمان ہیں اُس
سے نجات پائین گے مگر جو کہ مسلمانوں کا دوزخ میں جانا اور آیتون سے نہین معلوم ہوتا تھا اس لئے
ایک گروہ علما نے یہ خیال کیا کہ دوزخ کی پشت پر جو پل صراط کھچا ہوا ہے اُسکے اوپر سے سب لوگ
گذرینگے۔ جو کافر ہیں وہ دوزخ میں گر پڑینگے اور جو مسلمان ہین وہ صحیح و سالم اُس سے گزر جائین گے۔
مگر یہ روایتین ایسی ہیں جنکا کچھ نشان قرآن کے الفاظ میں نہیں پایا جاتا۔ صحیح رائے اُن لوگوں کی
ہے جنہون نے "منکم" کی ضمیر مخاطب کو صرف کفار کی طرف راجع کیا ہے اور یہ رائے قرآن مجید سے صحیح
معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ اِس آیت سے قبل کی آیتون میں کفار کا اور اُن پر عذاب ہونے اور اونکو دوزخ
میں ڈالے جانیکا ذکر ہے اور یہہ صاف قرینہ ہے کہ اس آیت میں ضمیر کُم کی مخاطب بھی صرف وہی لوگ ہیں

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ﴿۷۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۶﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ﴿۷۷﴾ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۸﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۹﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۰﴾ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۸۱﴾ وَّنَرِثُهُ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۳﴾ كَلَّا

جنکا ذکر اوپر کی آیتوں میں ہے یعنی کفار نہ کہ تمام انسان۔

اس تفسیر کو تفسیر کبیر میں بھی بیان کیا ہے "وان منکم الا واردھا" کے معنی یہ ہیں کہ

وان منکم الا واردھا یعنی جھنم واختلفوا فقال بعضھم المراد من تقدم ذکرہ من الکفار فکنی عنھم اولا کنایۃ الغیبۃ ثم خاطب

تم میں کوئی ایسا نہیں جو دوزخ میں نہ پہونچے۔ پھر اس بات میں کہ اس آیت کے مخاطب کون لوگ ہیں علمانے اختلاف کیا ہے بعض علما کہتے ہیں کہ وہی کفار مخاطب ہیں

تو کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہوئے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے کون دونوں گروہوں

میں اچھے مرتبہ پر ہے اور اچھی صحبت میں (۷۴) اور کتنے ہم نے ہلاک کئے ہیں اُن سے

پہلے گروہ لوگوں کے جو کہ وہ بہتر تھے سامان میں اور نمود میں (۷۵) کہدے (اے پیغمبر)

جو کوئی ہو گمراہی میں بڑہاتا ہے اُسکو اللہ بہت بڑہانا (۷۶) یہانتک کہ جب وہ دیکھیں گے

اُس بات کو جسکا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے یا تو عذاب یا قیامت تو وہ جلد جان جائینگے

کہ کون ہے بُرے درجہ میں اور کمزور گروہ میں (۷۷) اور زیادہ کرتا ہے اللہ اُن لوگوں

کی ہدایت جنھوں نے ہدایت پائی (۷۸) اور ہمیشہ رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے پروردگار

کے نزدیک ثواب میں اور بہتر ہیں اور اچھی جگہہ ملنے میں (۷۹) کیا تو نے دیکھا ہے اُسکو

جسنے انکار کیا ہماری نشانیوں کا اور کہا کہ بیشک مجکو ملیگا مال اور اولاد (۸۰) کیا وہ مطلع

ہوا ہے غیب کی بات پر یا اُس نے لیا ہے اللہ سے عہد (۸۱) ہرگز نہیں! ہم البتہ لکھیں گے

جو وہ کہتا ہی اور بڑہا وینگے اُسکے لئے عذاب بہت بڑہانا (۸۲) اور مالک ہوجائینگے ہم اُس چیز کی جو وہ

کہتا ہی اور آئیگا وہ ہماری پاس اکیلا (۸۳) اختیار کئے ہیں اُنہوں نے اللہ کے سوا اور معبود تاکہ وہ اُنکی مددگار ہوں (۸۴)

ہرگز نہیں۔

خطاب المشافهة قالوا انه لا يجوز للمؤمنين ان يردوا النار ويدل عليه امور احدها قوله تعالى ان الذين سبقت لهم منا الحسنى اولئك عنها مبعدون والمبعد عنها لا يوصف بانه واردها والثاني قوله لا يسمعون حسيسها ولو وردوا

جنکا ذکر پہلے ہو چکا ہے خدا نے اول اُن کا ذکر کنایۃً غائب کے صیغوں میں کیا ہے پھر بالمشافہ اُن سے خطاب کیا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا دوزخ میں پہونچنا ممکن نہیں ہے اور اِسکی تین دلیلیں ہیں اوّل یہ کہ خدا فرماتا ہے وہ لوگ ہیں جنکے لئے ہم نے پہلے سے

سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۵﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۶﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۷﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۸﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۹﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۹۰﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ

جهنم لسمعوا حسيسها او
تاثها وهم من فزع يومئذ امنون
(تفسیر کبیر جلد رابع صفحہ ۳۹۱)

نیک جزا مقرر کی ہے وہ دوزخ سے دور رہیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ جو دوزخ سے دور رہینگے اُنکی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ وہ دوزخ میں پہونچینگے دوسری دلیل یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ دوزخ کی آواز نہیں سنیں گے اور اگر وہ دوزخ میں پہونچینگے تو ضرور ہے کہ وہ اُسکی آواز بھی سنیں گے تیسری دلیل یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ اُس دن کی گھبراہٹ سے امن میں رہینگے۔

پس کچھ شبہہ نہیں ہے کہ اس آیت میں صرف کافر ہی مخاطب ہیں نہ مسلمان۔

(۹۰) اس آیت میں شفاعت کا ذکر ہے مگر قبل اسکے کہ ہم اس پر بحث کریں ہمکو بتانا چاہیئے کہ قرآن مجید میں کس کس طرح پر شفاعت کا ذکر آیا ہے۔

اول مشرکین عرب کی نسبت وہ آیتیں ہیں جن میں شفاعت کا ذکر ہے۔ اس میں کسیکو کلام نہیں کہ کفار عرب بلکہ تمام مشرکین بت پرست اس بات کا یقین رکھتے تھے اور یقین رکھتے ہیں کہ جن معبودوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ معبود خدا سے اونکی شفاعت کرینگے۔ پس اُن آیتوں میں جو کافروں اور بت پرستوں کی نسبت ہیں خدا نے فرمایا ہے کہ کافر جنکی عبادت کرتے ہیں اور جنکو وہ اپنا شفیع سمجھتے ہیں وہ خدا کے پاس اونکی شفاعت نہیں کر سکنے کے۔

مذکورہ بالا آیتیں حسب تفصیل ذیل ہیں۔

عنقریب وہ انکار کرینگے انکی عبادت سے اور وہ ہونگے اُنکے برخلاف ﴿۸۵﴾ کیا نہیں دیکھا تو نے کہ ہم نے بھیجے ہیں شیطان کافرون پر جو بد کاتے ہیں انکو بد کاری ﴿۸۶﴾ پس نہ جلدی کر تو اُن پر ہم تو گن رہے ہیں اُنکے لئے گنتی ﴿۸۷﴾ جسدن ہم اکٹھا کرینگے پرہیزگاروں کو خدا کے پاس مہمانوں کی طرح ﴿۸۸﴾ اور ہم ہانک لیجاوینگے گنہگاروں کو جہنم کی طرف پیاسے ﴿۸۹﴾ نہیں مالک ہونگے وہ شفاعت کے مگر وہ شخص جس نے لیا ہی خدا سے عہد ﴿۹۰﴾ اور اونھوں نے کہا

سورہ اعراف میں خدا نے فرمایا ہے کہ جن وعدون کا خدا نے ذکر کیا ہے جب وہ آجاوینگے

یقول الذین نسوہ من قبل قد جاءت رسل ربنا بالحق فھل لنا من شفعاء فیشفعوا لنا۔ (سورہ اعراف آیت ۵۱)	تو وہ لوگ جو اُس سے پہلے انکو بھول گئے ہیں کہینگے کہ بیشک ہمارے پروردگار کے سچے پیغمبر آئے تھے پھر کیا ہمارے لئے شفاعت کرنیوالے

ہیں کہ ہمارے لئے شفاعت کریں۔ (یعنی کوئی شفاعت کرنیوالا نہیں)

سورہ الشعرا میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کافر کہیں گے کہ ہمارے لئے کوئی شفاعت

فما لنا من شافعین ولا صدیق حمیم (سورہ الشعرا آیت ۱۰۰ و ۱۰۱)	کرنیوالا نہیں ہے۔

سورہ المدثر میں فرمایا ہے کہ کافر کہیں گے کہ ہم جھٹلاتے تھے قیامت کے دن کو یہانتک

فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین (سورہ المدثر آیت ۴۹)	کہ ہم کو موت آگئی پھر انکو نفع نہیں دینے کی شفاعت شفاعت کرنیوالون کی (یعنی جنکو کافر شفاعت کرنیوالا

سمجھتے تھے انکی شفاعت سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا یعنی وہ انکی شفاعت کرنے والے ہونے ہی کے نہیں)

سورہ السجدہ میں کافرون سے خطاب کر کے فرمایا ہی کہ قیامت کو دن کافرونکے لئے خدا کے سوا نہ کوئی ولی ہوگا نہ

الرحمن ولدا

مالکم من دونہ من ولی ولا شفیع افلا تتذکرون (سورۃ السجدہ آیت ۳)	کوئی شفاعت کرنے والا۔

سورہ المومن میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست

ماللظلمین من حمیم ولا شفیع یطاع (سورۃ المومن آیت ۱۹)	ہوگا نہ کوئی شفاعت کرنیوالا جسکی بات مانی جاوے۔

سورہ الروم میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے لئے اونکے معبودوں میں

ولم یکن لھم من شرکائھم شفعاء وکانوا بشرکائھم کافرین (سورۃ روم آیت ۱۲)	سے جنکو وہ خدا کا شریک ٹھیراتے تھے کوئی شفاعت کرنیوالا نہ ہوگا۔

سورہ الزمر میں فرمایا ہے کہ کیا مکہ کے کافروں نے خدا کے سوا شفاعت کرنیوالے ٹھیرائے

ام اتخذوا من دون اللہ شفعاء قل اولو کانوا لا یملکون شیئا ولا یعقلون قل للہ الشفاعۃ جمیعا لہ ملک السموٰت والارض ثم الیہ ترجعون (سورۃ الزمر آیت ۴۴ و ۴۵)	ہیں کہدے (اے پیغمبر) کہ کیا وہ (یعنی جن کو شفاعت کرنے والا ٹھیرایا ہے) کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتی اور نہ سمجھتے ہیں۔ کہدے اے پیغمبر کہ شفاعت تمام تر اللہ ہی کے لئے ہے اوسی کے لئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی پھر اوسکے

پاس جاؤ گے۔

ویعبدون من دون اللہ ما لا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ قل اتنبؤن اللہ بما لا یعلم فی السموٰت ولا فی الارض سبحٰنہ وتعالیٰ عما یشرکون (سورۃ یونس آیت ۱۹)	سورہ یونس میں فرمایا ہے کہ کافر اللہ کے سوا انکی عبادت کرتے ہیں جو نہ انکو نقصان پہونچاتے ہیں نہ انکو نفع۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ ہیں ہماری شفاعت کرنیوالے اللہ کے پاس کہدے اے پیغمبر کہ کیا تم متنبہ کرتے ہو اللہ کو

اس چیز سے کہ وہ نہیں جانتا آسمانوں کی اور زمین کی پاک ہے اور اعلیٰ ہے اس سے کہ شریک

خدا رکھتا ہے اولاد

مقرر کرتے ہیں۔

سورہ انعام میں فرمایا ہے اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ تمہاری شفاعت کرنیوالوں کو

وماتری معکم شفعاء کم الذین زعمتم انہم فیکم شرکاء (سورہ انعام آیت-۹۴)	جنکو تم گمان کرتے تھے کہ وہ تم میں شریک ہین۔

سورہ یٰس میں خدانے پیغمبر کی زبان سے فرمایا ہے کہ کیا میں ٹہیراؤں اللہ کے سوا کسیکو معبود اگر

ا اتخذ من دونہ الہۃ ان یردن الرحمن بضر لا تغن عنی شفاعتہم شیئا ولا ینقذون (سورہ یٰس ۲۳ ایت ۲۲)	خدا کچھہ مجکو نقصان پہونچانا چاہے تو اُنکی شفاعت میرے کچھہ بھی کام نہیں آسکتی۔ اور نہ اُس سے مجکو چہڑا سکتی ہے۔

دوسری قسم کی وہ آیتین ہیں جن میں قطعًا یہ بات فرمائی ہے کہ کوئی شخص خدا کے سامنے کسی کی شفاعت نہیں کرسکتا۔ اور نہ کوئی کسیکا شفیع ہوسکتا ہے اور وہ آیتین یہ ہیں۔

سورہ بقر میں خدانے فرمایا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو خیرات کرو اُس میں سے جو دیا

یاایہا الذین امنوا انفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ والکافرون ہم الظلمون (سورہ بقر ایت ۲۵۵)	ہے ہمنے تمکو اس سے پہلے کہ ایک دن آوے جس میں نہ خرید فروخت ہے اور نہ دوستی اور نہ شفاعت اور کافر وہی ہیں ظلم کرنیوالے۔

سورہ انعام میں خدانے اپنے پیغمبر سے فرمایا ہے کہ تو قرآن سے اُن لوگوں کو ڈرا جو ڈرتے ہیں

لیس لہم من دونہ ولی ولا شفیع لعلہم یتقون (سورہ انعام ایت ۵۱)	کہ وہ جاوینگے اپنے پروردگار کے پاس اُنکے لئے سوائے خدا کے نہ کوئی دوست ہے نہ شفاعت کرنیوالا تاکہ وہ

پرہیزگاری کریں۔

پہر دوسری آیت میں خدانے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ تو قرآن سے اُنکو نصیحت کرکہ جو کچھہ جسنے

لیس لہا من دون اللہ ولی ولا شفیع۔ (سورہ انعام ایت ۶۹)	کمایا ہے اُسکے سبب سے وہ ہلاکت میں پڑیگا اور خدا کے سوا نہ اُسکا کوئی دوست ہوگا اور نہ شفاعت کرنیوالا

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٩١﴾

سورہ بقر میں فرمایا ہے اور ڈرو اُس دن سے کہ نہیں پورا کر یگا کوئی کسی سے کچھ اور نہ اُن سے قبول کیا

واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منها عدل ولا تنفعها شفاعة ولا هم ینصرون (سورہ البقر ۱۱۷)	جاویگا بدلا اور نہ فائدہ دیگی اُنکو شفاعت اور نہ وہ مدد کئے جاوینگے۔

تیسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ خدا کے سامنے کوئی کسی کی شفاعت نہیں کرسکتا بجز خدا کی اجازت کے اور وہ آیتیں یہ ہیں۔

سورہ البقر میں خدا نے فرمایا ہے کہ وہ کون ہے جو شفاعت کرے اُسکے پاس (یعنی اللہ

من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه (سورہ البقر آیت ۲۵۶)	کے پاس) مگر اُس کے حکم سے۔

سورہ انبیا میں فرمایا ہے کہ خدا جانتا ہے جو کچھ اُنکے آگے ہے اور جو کچھ اُنکے پیچھے

یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم ولا یشفعون الا لمن ارتضی وهم من خشیته مشفقون (سورہ الانبیا آیت ۲۸-۲۹)	ہے اور وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اُس شخص کی جس سے خدا خوش ہے اور وہ اُسکے ڈر سے دہلنے والے ہیں۔

سورہ یونس میں فرمایا ہے۔ نہیں ہے کوئی شفاعت کرنے والا مگر اوس کے اذن

ما من شفیع الا من بعد اذنه (سورہ یونس آیت ۳)	کے بعد۔

سورہ طہ میں فرمایا ہے اُس دن شفاعت فائدہ نہیں دیتی کی مگر اُسکو جسکے لئے خدا نے

یومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن ورضی له قولا (سورہ طہ آیت ۱۰۸)	اذن دیا ہے اور اُس کی بات کو پسند کیا ہے۔

سورہ سبا میں فرمایا ہے اور فائدہ نہیں دیتی شفاعت اُسکے پاس مگر واسطے اُس شخص

ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له (سورہ السبا - آیت ۲۲)	کے کہ اذن دیا گیا ہو اُسکے لئے۔

بیشک تم لائے ہو بہت بڑی بات (۹۱)

سورہ النجم میں فرمایا ہے اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ انکی شفاعت تم کو کچھہ فائدہ نہیں دیتی مگر بعد اسکے کہ اذن دیوے اللہ جسکے لیئے چاہے اور پسند کرے۔

وکم من ملک فی السموات لا تغنی شفاعتهم شیئا الا من بعد ان یاذن الله لمن یشاء ویرضی (سورہ النجم ایت ۲۶-۲۷)

سورہ الزخرف میں فرمایا ہے جو لوگ کہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا وہ مالک نہیں ہیں شفاعت کے مگر وہ شخص جس نے سچ کی گواہی دی اور وہ جانتے ہیں۔

ولا یملک الذین یدعون من دونه الشفاعة الا من شهد بالحق وهم یعلمون (سورہ الزخرف ایت ۸۶)

سورہ مریم میں فرمایا ہے اور نہیں مالک ہیں شفاعت کے مگر وہ شخص جس نے اللہ سے عہد لیا ہے۔

لا یملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمن عهدا (سورہ مریم - ایت ۹۰)

پہلی قسم کی جو آیتیں ہیں اُن سے زیادہ بحث کرنیکی کچھہ ضرورت نہیں کیونکہ کافر یقین کرتے تھے کہ اُنکے معبود خدا سے اُنکی سفارش کر کے اُنکے گناہ بخشوا دینگے۔ خدا نے کہا کہ قیامت میں اُنکے لیئے کوئی شفاعت کرنیوالا نہیں ہوگا یعنی اُنکا یہ خیال کہ اُنکے معبود شفاعت کروائنگے غلط ہے۔

دوسری قسم کی آیتیں بھی ہمارے نزدیک بالکل سیدھی اور صاف ہیں جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ خدا کے سامنے کوئی کسی کی شفاعت کرنیوالا نہیں ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص اپنے اعمال کی موافق جزا اور سزا پاویگا۔ پس وہاں نہ کسی کی شفاعت چلتی ہے اور نہ کوئی کسی کی شفاعت کر سکتا ہے۔

مگر تیسری قسم کی آیتیں بحث کے قابل ہیں۔ جن میں الا حرف استثنا کا اور لفظ اذن کا آیا ہے اور اس سبب سے بعض اکابر شفاعت بالاذن کے قایل ہوئے ہیں۔ یعنی خدا جس شخص کی شفاعت کرنے کی اجازت دیگا اوسی کی شفاعت کی جاوے گی۔ اور جسکے لیئے خدا کا اذن

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ

نہ ہوگا اُسکی شفاعت نہیں کیجاوے گی۔

مسلمانون میں ایک عام خیال ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام قیامت کے دن اپنی امت کی گنہگارون کی شفاعت کرکے اُنکو بخشوالین گے۔ پھر اس خیال کو بہت وسعت ہوگئی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ پیر اپنے مریدون کی اور نیک بندے اپنے دوستوں اور معتقدوں کی اور حافظ اپنے رشتہ دارون اور پڑوسیون کی شفاعت کرکے اُنکو بخشوالیں گے۔ اور ایک ایک کی شفاعت سے معلوم نہیں کتنے کتنے گنہگار بخشے جاوینگے۔ اِن خیالات کی بنیاد کچھ ہی ہو اس مقام پر اُس سے بحث کرنی ضرور نہیں ہے۔ یہان صرف اس بات پر بحث کرنی ہے کہ اُن آیتون سے جو تیسری قسم میں مندرج ہیں نسبت شفاعت کے کیا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔

شفاعت کا مطلب اگر یہی خیال کیا جاوے جو عام لوگون کا ہے تو یہہ مشکل پیش آتی ہے کہ سورہ انعام میں خدا نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سوا نہ کوئی دوست ہوگا نہ شفاعت کرنیوالا اور اس کا فائدہ یہ بتایا ہے کہ "لعلھم یتقون"، یعنی تاکہ لوگ پرہیزگاری کرین یعنی کوئی کسیکا شفیع نہیں ہے اسلئے اُنکو چاہیئے کہ نیک اعمال کرین پس اگر لوگوں کو یہہ یقین ہو کہ انبیا اور اولیا قیامت کے دن شفاعت کرکے اُنکے گناہ بخشوا لینگے تو جو فائدہ خدا نے کسی کی شفیع نہ ہونیکا بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ شفاعت کرنیوالا وہ باطل ہو جاتا ہے۔ اور اسلئے ضرور ہے کہ اُن آیتون پر جو تیسری قسم میں داخل کی گئی ہیں کافی غور کی جاوے۔

شفاعت کے معنی اگر یہہ قرار دئے جاویں کہ کوئی شخص کسی اعلیٰ حاکم سے کسیکی نسبت یہ چاہے کہ اُسکی تقصیرونکو معاف کیا جاوے اور اُسپر رحم اور مہربانی ہو تو شفاعت کے لئے تین وجودون کا ہونا لازم آتا ہے۔ ایک اُس شخص کا جو گنہگار ہے۔ دوسرے اُس شخص کا جو شفاعت کرے۔ تیسرے اُسکا جس سے شفاعت کیجاوے۔ مگر متعدد جگہہ خدا نے شفاعت کو اپنے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اور اُس سے صرف دو وجودونکا ہونا لازم آتا ہے

قریب ہے کہ آسمان اُس سے پھٹ جائیں

ایک خدا کا اور ایک اُس شخص کا جو گنہگار ہے۔ خدا نے سورۃ الزمر میں صاف بیان کیا ہے کہ قل للہ الشفاعۃ جمیعا۔ یعنی اے پیغمبر کہدے کہ شفاعت تمام تر اللہ ہی کے لئے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود خدا ہی اپنے گنہگار بندوں کا شفیع ہے۔

علاوہ اسکے خدا نے سورہ السجدہ میں کافروں کی نسبت فرمایا ہے مالکم من دونہ من ولی ولا شفیع۔

اور سورہ یٰسٓ میں فرمایا ہے کہ ااتخذ من دونہ آلہۃ۔ اور سورہ انعام میں فرمایا ہے کہ لیس لھم من دونہ ولی ولا شفیع۔ اور ایک جگہ فرمایا ہے لیس لہ من دون اللہ ولی ولا شفیع جس سے پایا جاتا ہے کہ کافروں کو چاہیئے تھا کہ خدا کو ولی اور شفیع گردانتے نہ خدا کے سوا اور کسی کو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی اور شفیع خدا ہے نہ اور کوئی۔

لفظ "دون" کے بعد جب کوئی امر مثبت اور محقق بیان کیا جاتا ہے تو اُس سے یہی مراد ہوتی ہے کہ جو فعل اس شخص کے ساتھ کیا گیا ہے جو لفظ "دون" سے مراد ہے وہ فعل اُسکے ساتھ نہ کرنا چاہیئے تھا۔ بلکہ اُسکے ساتھ کرنا چاہیئے تھا جو لفظ "دون" کے بعد ہے جیسا کہ خدا نے کہا ہے کہ یعبدون من دون اللہ پس جو فعل کہ اللہ کے سوا اور کسی کے ساتھ کیا گیا تھا وہ کرنا نہیں چاہیئے تھا۔ بلکہ اللہ کے ساتھ کرنا چاہیئے تھا۔ اور جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین۔ پس ظاہر ہے کہ جو دوستی کہ کافروں کے ساتھ کی گئی تھی وہ قبیح اور ناجائز تھی۔ بلکہ وہ دوستی مسلمانوں کے ساتھ کرنی چاہیئے تھی۔ پس مذکورہ بالا آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شفاعت کا خیال غیر خدا کے ساتھ ناواجب تھا اور خدا کے ساتھ لازم تھا اور اسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ ولی اللہ شفیع اللہ الہ۔ پس شفاعت خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور وہی شفیع ہے نہ کوئی غیر۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جہاں کہیں خدا نے شفاعت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جیسے کہ "قل للہ الشفاعۃ جمیعا" یہہ اِس سبب سے کیا ہے کہ بغیر اسکے اذن کے کوئی شفاعت

وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾

نہیں کر سکنے کا پس گویا حقیقت میں شفیع خدا ہی ہے جس کے اذن کے بغیر شفاعت نہیں ہو سکتی۔

مگر اس توجیہ کا تسلیم کرنا ان آیتوں کی مراد پر منحصر ہے جن میں اذن کا لفظ واقع ہوا ہے اگر ان آیتوں میں شفاعت کے اذن دینے سے مراد نہ ہو تو یہ توجیہ صحیح نہیں ہو سکتی اور اسلئے ہم اُن آیتوں سے بحث کرتے ہیں جنمیں اذن کا لفظ آیا ہے۔

پانچ آیتیں ہیں جن میں الا باذنہ کا لفظ آیا ہے ایک سورہ بقر کی جہاں خدا نے فرمایا ہے "من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ" دوسری سورہ یونس میں جہاں خدا نے فرمایا ہے "ما من شفیع الا بعد اذنہ" تیسری سورہ طہ میں جہاں خدا نے فرمایا ہے "یومئذ لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن لہ الرحمن ورضی لہ قولا" چوتھی سورہ سبا میں جہاں خدا نے فرمایا ہے "ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ" پانچویں سورہ نجم میں جہاں خدا نے فرمایا ہے "لا تغنی شفاعتھم شیئا الا من بعد ان یاذن اللہ لمن یشاء ویرضیٰ"

سورہ بقر اور سورہ انعام کی جو آیتیں ہم نے قسم دوم میں لکھی ہیں اُن میں بلا کسی شرط اور بلا کسی استثنا کے خدا نے فرمادیا ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسیکا شفیع نہیں ہونے کا اور نہ کوئی کسیکا ولی اور مددگار۔ پس اب ہمکو یہہ دیکھنا ہے کہ ان آیتوں میں جن میں لفظ "الا باذنہ" واقع ہے درحقیقت اُس سے شفاعت کے اذن کا دیا جانا مراد ہے یا نہیں۔

ہمارے نزدیک شفاعت کے اذن کا دیا جانا مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں جس جگہہ کسی امر کا ہونا یا نہ ہونا قطعی طور پر بیان کیا گیا ہے اور پھر اُس سے اپنی مشیت یا ارادہ یا قدرت کو خدا نے مستثنےٰ کیا ہے تو اس استثنا سے صرف اپنی قدرت کاملہ اور مشیت اور ارادہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے نہ اُس امر کے واقع ہونے کا جو بعد حرف استثنا کے واقع ہوا ہے۔ پس ان آیتوں میں الا باذنہ یا باذن اللہ کا لفظ جو آیا ہے اُس سے یہہ لازم نہیں آتا کہ خدا قیامت میں کسیکو یا کسیکے لئے شفاعت کرنیکی اجازت بھی دیگا اور خدا نے قرآن مجید میں شفاعت

اور زمین ٹکڑے ہو جائے اور گر پڑیں پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر (۹۲)

کی جو عام طور پر نفی کی ہے اس استثنا سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور ہمارے نزدیک ایسی آیتوں میں کلمہ الا باذنہ یا الا باذن اللہ بطور کلمہ تائید کے ہوتا ہے جس سے اُس امر کا ہونا یا نہ ہونا قطعی ہو جاتا ہے جس سے خدا نے اپنے اذن کو مستثنا کیا ہے۔

اسکی مثال لفظ الا ان یشاء اللہ سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ سورہ اعراف میں حضرت شعیبؑ کے قصہ میں خدا نے فرمایا ہے کہ اُس گاؤں کے سرداروں نے جہاں شعیبؑ رہتے تھے حضرت شعیب سے اور جو لوگ کہ ایمان لائے تھے اُن سے کہا کہ ہم تمکو گاؤں سے نکال دینگے یا ہمارے مذہب میں آجاؤ۔ تو حضرت شعیب نے کہا کہ اگر تمہارے مذہب میں پھر آویں بعد اسکے کہ خدا نے ہمکو اُس سے نجات دی ہے تو ہم نے بیشک خدا کے اوپر جھوٹ باندھا ہوگا۔ اور ہمارے لیے نہیں ہے کہ ہم اُس میں پھر جاویں مگر یہہ کہ خدا چاہے۔

> قد افترینا علے اللہ کذبا ان عدنا فی ملتکم بعد اذ نجینا اللہ منھا وما یکون لنا ان نعود فیھا الا ان یشاء اللہ (سورہ اعراف - ۸۷)

اِس آیت کا یہہ مقصد نہیں ہے کہ حضرت شعیب کا دوبارہ کفر میں داخل ہونا خدا چاہے گا بلکہ خدا حضرت شعیب پیغمبر کا پھر کفر میں داخل ہونا ہرگز نہیں چاہے گا۔ پس کلمہ استثنا کے بعد جو بیان ہے وہ بطور تائید کلام اول کے ہے اور اُس کا وقوع کسیطرح مقصود نہیں ہے۔ اور یہی حال اُن آیتوں کا ہے جن میں لفظ الا باذنہ کا آیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کسیکو شفاعت کرنیکی یا کسی کے لئے شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دینے کا۔ علاوہ اسکے یہ کلمے بطور تبعید یا تعلیق المحال بالمحال کر بولے جاتے ہیں اور اِسکی مثال یہ ہے کہ خدا نے قرآن مجید میں جابجا مشرک کی نجات نہ ہونیکو صاف صاف بیان فرمادیا ہے اور ایک آیت میں جہاں فرمایا ہے حتے یلج الجمل فی سم الخیاط اُنکی نجات کو اس شرط کے ساتھ معلق کیا ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو سکے اور ایسا ہونا محال ہے۔ پس مشرک کی نجات کی جو عام طور پر قرآن میں نفی کی گئی ہے اس تعلیق سی

أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝۹۲ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝۹۴ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝۹۵ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝۹۶ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝۹۷

اُسمیں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ بلکہ شرک کی نجات کا ناممکن ہونا اور بھی واضح ہو گیا ہے۔
اسکی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ مثلاً کوئی کہے کہ میں یہہ کام نہیں کرنیکا جب تک کہ تارکول سفید اور کالا کوا بوڑھا نہ ہو جاوے۔ یعنی جب تک کالے کوے کے سفید بال نہ نکل آئیں۔

پس اِن آیتوں میں بھی شفاعت کو باذنہ سے مشروط کرنا تعلیق المحال بالمحال ہے کیونکہ اور آیتوں میں شفاعت کی مطلقاً نفی کی گئی ہے جس سے کسیکو شفاعت کا اذن دیا جانا محال معلوم ہوتا ہے۔ یہاں شفاعت کو اُسی اذن کے ساتھ معلق اور مشروط کیا ہے جس کا حاصل ہونا محال ہے۔ پس اس تعلیق سے شفاعت کی مطلق نفی میں کوئی فرق نہیں آتا جو پہلے بیان ہو چکی ہے بلکہ شفاعت کا ناممکن اور محال ہونا زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ بہرحال اِن آیتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت میں خدا کسیکو شفاعت کرنیکا یا کسی کے لئے شفاعت کرنے کا اذن

اس بات پر کہ وہ دعوی کرتے ہیں خدا کے لئے اولاد کا اور نہیں شان ہے
خدا کی کہ وہ رکھے اولاد (۹۲) نہیں ہے کوئی آسمان اور زمین میں مگر آنیوالا
ہے خدا کے پاس بندہ ہوکر بیشک خدا نے انکو گھیر لیا ہے انکو اور گن لیا
ہے انکو گنتی کر کے (۹۴) اور ہر ایک اُن میں سے آنیوالا ہے قیامت کے دن
تنہا (۹۵) بیشک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کئے ہیں اور پیدا
کردیگا خدا اُنکے لئے دوست (۹۶) (اے پیغمبر) بیشک ہمنے آسان
کردیا ہے قرآن کو تیری زبان میں تاکہ اُس سے خوشخبری دے پرہیزگارونکو
اور توڈراوے اُس سے جھگڑالو لوگوں کو (۹۷)

دے گا۔ بلکہ سیاق قرآن سے یہی پایا جاتا ہے کہ اجازت نہیں دیگا۔

دو آیتیں اور ہیں جن میں اذن کا لفظ نہیں ہے مگر حرف استثنا آیا ہے۔ پہلی آیت سورہ الزخرف کی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے۔ ولا یملک الذین یدعون من دونہ الشفاعۃ الا من شھد بالحق وھم یعلمون اور دوسری آیت سورہ مریم کی ہے جسکی ہم تفسیر لکھتے ہیں اُس آیت میں خدا نے فرمایا ہے۔ لا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمن عھدا۔ یہ دونوں آیتیں ایک سی ہیں۔ پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا کے سوا اوروں سے شفاعت چاہتے ہیں اُن میں سے کوئی شفاعت کا مالک نہیں ہے بجز اُسکے جسنے سچ بات یعنی اسلام پر اقرار کیا۔ اور دوسری آیت میں ہے کہ سوائے اُنکے جنہوں نے خدا سے عہد کیا ہے یعنی اُسکی وحدانیت کا اقرار کیا ہے کوئی مالک شفاعت کا نہیں ہوگا۔

شفاعت کے مالک ہونے سے شفاعت کا حق یا استحقاق حاصل ہونا مراد ہے

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

جوسواے مسلمان کے اورکسیکو حاصل نہیں ہے شفاعت کا حاصل ہے کسی کے گناہون سے درگذر کرنا اور جب شفاعت خدا کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو اُسکے معنی مغفرت کر دیجاتے ہیں اور مجازاً اُسکا استعمال بمعنی مغفرت ولایت (ولی ہونا) اور نصرت کے ہوتا ہے۔ جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے۔ لیس لهم من دونه ولی ولا شفیع۔ اور دوسری جگہہ فرمایا ہی لا تنفعها شفاعة ولا هم ینصرون ان آیتون میں لفظ ولی اور ینصرون گویا تفصیل ہے شفاعت کی پس خدا کی شفاعت اُسکی مغفرت ہے اور خدا کا شفیع ہونا اُس کا غفور اور



اور کتنے ہلاک کئے ہیں ہم نے اُن سے پہلے گروہ لوگوں کے کیا تو پاتا ہے

اُن میں سے کسی کا پتا یا سنتا ہے اُنکی بھنک ﴿۹۸﴾

غفار ہوتا ہے۔ اس مطلب کو نہایت صاف طور پر اسنے بیان کیا ہے جہاں فرمایا ہے

ان اللہ لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء۔

ولاشك ان محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم شفیعنا وشفیع جمیع المسلمین لانه علیه

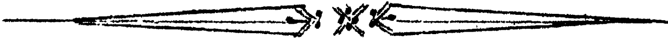
السلام هدانا الی صراط مستقیم موصل الی الشفاعة والرحمة والغفران

من عند الله فهو شفیع لنا بالتحقیق فی یوم الدین یوم لا بیع فیه ولا

خلة ولا شفاعة۔



هو المستعان



سورہ طٰہٰ



در مطبع عام مفید آگرہ محمد قادر علیخان صاحب نوفی
طبع نمود

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ ۚ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿١﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿٣﴾ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿٤﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿٥﴾ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿٦﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ﴿٧﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿٨﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿١١﴾ اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿١٣﴾ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿١٤﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ

٥١ استویٰ علی العرش پر ہم پوری بحث اپنی تفسیر جلد سوم میں لکھ چکے ہیں دیکھو صفحہ (١٦٣-١٦٤)

٥٢ حضرت موسیٰ کے واقعات اور حالات کے متعلق جسقدر آیتیں قرآن مجید میں آئی ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طہ ہم نے تجھپر قرآن اسلیئے نہیں اوتارا کہ تو رنج کہینچے ① بجز نصیحت کے اُسکے لئے جو ڈرتا ہے ② اوتارا ہوا ہے اُسکا جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانون کو ③ رحمن یعنی خدا عرش پر قایم ہوا ④ اُسیکے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانون میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہی اور جو کچھ کہ اُن دونوں میں ہے اور جو کچھ کہ گیلی زمین کے نیچے ہی ⑤ اور اگر تو کہلم کہلا کوئی بات کرے تو بیشک وہ جانتا ہی چہپے بہید کو اور زیادہ چہپے ہوئے کو ⑥ خدا ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہی اُسیکے لئے ہیں نام اچہے ⑦ اور کیا پہونچی ہے تجھ تک خبر موسیٰ کی ⑧ جسوقت اُسنے دیکہا آگ کو تو اُسنے اپنے لوگون سی کہا ٹہیرو بیشک میں نے دیکہی ہی آگ ⑨ شاید میں لاؤن تمہاری پاس اُس سی انگارا یا میں پاؤن آگ کے پاس راہ ⑩ پہر جب اُسکے پاس پہونچا تو آواز دیگئی اے موسیٰ ⑪ بیشک میں ہون تیرا پروردگار اُتار دی اپنی جوتیان بیشک تو میدان پاک میں ہے جسکا نام طویٰ ہے ⑫ اور میں نے تجھہ کو پسند کیا پہر سن جو کچھ وحی کیجاتی ہے ⑬ بیشک میں خدا ہون نہیں کوئی معبود سوائے میری پہر میری عبادت کر اور قایم کر نماز مجھے یاد کرنیکے لئے ⑭ بیشک قیامت آنیوالی ہے میں چاہتا ہون کہ اُسکے وقت کو پوشیدہ رکہون ⑮ تاکہ بدلا دیا جاوی ہر شخص کو اُسکا جو وہ کرتا ہے ⑯ پس نہ روکے تجھکو

اُنکی مفصل تفسیر ہم اپنی تفسیر جلد سوم میں صفحہ ۲۱۰ سے صفحہ ۲۵۷ تک اور تفسیر جلد اول میں صفحہ ۷۰ سے صفحہ ۱۲۶ تک کر چکے ہیں۔

عَنۡهَا مَنۡ لَّا يُؤۡمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرۡدٰى ﴿۱۷﴾ وَمَا تِلۡكَ
بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ هِىَ عَصَاىَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا وَاَهُشُّ
بِهَا عَلٰى غَنَمِىۡ وَلِىَ فِيۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰى ﴿۱۹﴾ قَالَ اَلۡقِهَا يٰمُوۡسٰى ﴿۲۰﴾
فَاَلۡقٰىهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسۡعٰى ﴿۲۱﴾ قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ
سَنُعِيۡدُهَا سِيۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰى ﴿۲۲﴾ وَاضۡمُمۡ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ
تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ اٰيَةً اُخۡرٰى ﴿۲۳﴾ لِنُرِيَكَ مِنۡ اٰيٰتِنَا
الۡكُبۡرٰى ﴿۲۴﴾ اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِىۡ
صَدۡرِىۡ ﴿۲۶﴾ وَيَسِّرۡ لِىۡۤ اَمۡرِىۡ ﴿۲۷﴾ وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِىۡ ﴿۲۸﴾
يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِىۡ ﴿۲۹﴾ وَاجۡعَلۡ لِّىۡ وَزِيۡرًا مِّنۡ اَهۡلِىۡ ﴿۳۰﴾ هٰرُوۡنَ
اَخِى ﴿۳۱﴾ اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِىۡ ﴿۳۲﴾ وَاَشۡرِكۡهُ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ ﴿۳۳﴾ كَىۡ
نُسَبِّحَكَ كَثِيۡرًا ۙ وَّنَذۡكُرَكَ كَثِيۡرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِيۡرًا ﴿۳۵﴾
قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۳۶﴾ وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ
مَرَّةً اُخۡرٰٓى ﴿۳۷﴾ اِذۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوۡحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقۡذِفِيۡهِ
فِى التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِيۡهِ فِى الۡيَمِّ فَلۡيُلۡقِهِ الۡيَمُّ

اُس سے جو اُسپر ایمان نہین لایا اور پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی پھر تو ہلاک ہو جاوے (۱۷) اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ (۱۸) موسیٰ نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے میں اُسپر سہارا لیتا ہون اور اُس سے پتے اپنے ریوڑ پہ جہاڑ لیتا ہون اور میرے لئے اُس میں اور بہی فائدے ہیں (۱۹) خدا نے کہا کہ اُسکو ڈالدے اے موسیٰ (۲۰) پہر اُسنے اُسکو ڈالدیا پہر یکایک وہ تہی دوڑتا ہوا سانپ (۲۱) خدا نے کہا کہ اُسکو اُٹھا لے اور مت ڈر ہم پہیر دینگے اُسکو ویسی ہی جیسی کہ تہی پہلے (۲۲) اور ملا دے اپنا ہاتھ اپنی بغل سے نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی عیب کے نشانی ہے دوسری (۲۳) تاکہ ہم تجہہ کو دکہاوین اپنی بڑی نشانیون میں سے (۲۴) جا فرعون پاس بیشک اُسنے سرکشی کی ہے (۲۵) موسیٰ نے کہا کہ اے میرے پروردگار میرے لئے میرے دل کو کہولدے (۲۶) اور آسان کر میرے لئے میرا کام (۲۷) اور کہولدے گرہ میری زبان کی (۲۸) تاکہ سمجہین میری بات کو (۲۹) اور کر میرے لئے ایک وزیر میرے لوگون میں سے (۳۰) ہارون میرے بہائی کو (۳۱) اور مضبوط کر اُس سے میری قوت کو (۳۲) اور شریک کر اُسکو میرے کام میں (۳۳) تاکہ ہم تیری تسبیح کرین بہت اور ہم تجکو یاد کرین بہت (۳۴) بیشک تو ہے ہمکو دیکہنے والا (۳۵) خدا نے کہا کہ بیشک دی گئی تجہہ کو تیری درخواست اے موسیٰ (۳۶) اور بیشک ہم نے تجہپر احسان کیا دوسری دفعہ (۳۷) جس وقت کہ ہمنے وحی بہیجی تیری ماں کے پاس جو کچہہ کہ وحی بہیجی گئی (۳۸) کہ رکہہ اُسکو صندوق میں اور ڈالدے اُسکو دریا میں پہر اُسکو ڈالدیگا

بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً
مِّنِّيْ ﴿۳۹﴾ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۴۰﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ
اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ
وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ﴿۴۱﴾ فَلَبِثْتَ
سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۲﴾ وَ
اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۳﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا
فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۴﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۵﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا
لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۶﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ
عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۷﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۸﴾
فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ
الْهُدٰى ﴿۴۹﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۵۰﴾
قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۲﴾
قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۳﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۴﴾

دریا کنارے پر لے لیویگا اُسکو میرا دشمن اور اُسکا دشمن اور میں نے ڈالدی ہے تجھپر اے
موسیٰ محبت اپنی طرف سے (۳۹) تاکہ تو پرورش پاوے میری آنکھوں کے سامنے (۴۰)
جسوقت کہ جارہی تھی تیری بہن تو وہ کہتی تھی (یعنی اُنسے جنہوں نے موسیٰ کو دریا میں سے
لیلیا تھا) کہ کیا میں تمکو بتاؤں اُسکو جو پرورش اُسکو (یعنی موسیٰ کو) کرے پہر ہم پہیر لای تجھکو تیری ماں کے
پاس تاکہ اُسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور رکڑھے نہیں اور تو نے مار ڈالا ایک آدمی کو پہر ہم نے
تجھکو نجات دی اُس غم سے اور آزمایا ہم نے تجھکو اچھی طرح آزما کر (۴۱) پہر تو چند برس
مدین والوں میں رہا پہر تو آیا اندازہ پر اے موسیٰ (۴۲) اور ہم نے تجھکو پسند کرلیا اپنے لئی (۴۳)
جا تو اور تیرا بہائی میری نشانیوں کے ساتھ اور سستی نہ کرو میری یاد کرنے میں (۴۴)
تم دونو جاؤ فرعون کے پاس بیشک اُسنے سرکشی کی ہی (۴۵) پہر اُس سے کہو نرم بات
شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈری (۴۶) دونوں نی کہا کہ ای ہمارے پروردگار بیشک ہم دونوں ڈرتے ہیں کہ
وہ زیادتی کریگا ہمپر یا کہ سرکشی کریگا (۴۷) خدا نی اُن دونوں سی کہا کہ تم مت ڈرو بیشک میں دونوں
کی ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں (۴۸) پہر وہ دونوں فرعون کی پاس آئی پہر اُن دونوں نی کہا کہ بیشک
ہم بہیجے ہوے ہیں تیری پروردگار کے پہر بہیجدی ہماری ساتھ بنی اسرائیل کو اور اُنکو عذاب نہ دی بیشک
ہم لائی ہیں نشانی تیری پروردگار کی اور سلامتی ہی اُس شخص پر جس نے پیروی کی ہدایت کی (۴۹) بیشک
وحی بہیجی گئی ہے ہماری پاس کہ عذاب اُسپر ہے جسنے جہٹلایا اور روگردانی کی (۵۰) (فرعون) نی
کہا کہ پہر تمہارا پروردگار کون ہی ای موسیٰ (۵۱) (موسیٰ نے) کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہی جسنے دی ہر
ہر چیز کو اُسکی بناوٹ پہر ہدایت کی (۵۲) فرعون نے کہا کہ پہر کیا حال ہی اگلے زمانہ کی لوگوں کا (۵۳)
موسیٰ نے کہا کہ انکا علم میرے پروردگار کے پاس ہی ایک کتاب میں نہیں چوک جاتا ہی میرا
پروردگار اور نہ ہو لجاتا ہے (۵۴)

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۵﴾

كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۵۶﴾

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۷﴾

وَ لَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰى ﴿۵۸﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰى ﴿۵۹﴾ فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۶۰﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَ اَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۶۱﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَیْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَیْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَیُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍۚ وَ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۳﴾ فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ وَ اَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۴﴾ قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا

وہ ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور نکالے تمہارے لئے اُس میں رستے اور بھیجا آسمان
سے پانی پھر نکالیں ہم نے اُس سے مختلف قسمیں نباتات کی (۵۵)[1] کھاؤ اور چراؤ اپنے مویشی کو
بیشک اس میں ہیں نشانیاں سمجھدار لوگون کیلئے (۵۶) اُس سے یعنی زمین سے پیدا کیا ہم نے
تمکو اور اُس میں تمکو پھر لیجاوینگے اور اُس سے تمکو نکالیں گے دوسری دفعہ (۵۷) اور بیشک
ہمنے دکھائیں اُسکو یعنی فرعون کو اپنی تمام نشانیاں پھر اُسنے جھٹلایا اور نہ مانا (۵۸)
کہا فرعون نے کیا تو آیا ہے اسلئے کہ نکالے ہمکو ہماری زمین سے بسبب اپنی جادو
کے اے موسیٰ (۵۹) پھر بیشک ہم لاوینگے تیرے پاس اسی کی مانند جادو پھر مقرر
کر ہم مین اور اپنے میں کوئی وقت نہ ہم اُسکے خلاف کرین اور نہ تو برابر کی جگہہ میں[‡] (۶۰)
موسیٰ نے کہا تمہارا وقت تہوار کا دن ہے اور یہ کہ جمع ہون آدمی دن چڑھے (۶۱)
پھر لوٹ گیا فرعون اور جمع کئے اپنے سارے داؤن پھر آیا (۶۲) کہا اُنکو یعنی
فرعون کے ساحرون کو موسیٰ نے افسوس تم پر نہ بہتان باندھو اللہ پر جھوٹ (۶۳)
پھر ہلاک کر دے تم کو عذاب سے اور بیشک نامراد ہوا جسنے بہتان باندھا (۶۴)
پھر جھگڑنے لگے اپنے کام میں آپس میں اور چھپایا مشورہ کو (۶۵) (جادوگرون
نے) کہا یہہ دونون بیشک جادوگر ہیں دونون چاہتے ہیں کہ نکالیں تم کو یہ
دونون تمہاری زمین سے اپنے جادو سے

---

[1] حیوانات مختلف عنصرون سے ملکر بنے ہین مگر وہ تین قسم کے خیال کئے جاتے ہین۔ ایک وہ جو زمین پر رہتے ہین۔ دوسرے وہ جو پانی میں رہتے ہین تیسرے وہ جو ہوا میں اوڑتے ہین۔ زمین پر رہنے والون کی نسبت کہا جاتا ہے کہ زمین سے پیدا ہوئے اور پانی میں رہنے والونکی نسبت کہا جاتا ہے کہ پانی سے پیدا ہوئے۔ اور ہوا میں اوڑنیوالونکی نسبت کہا جاتا ہے کہ ہوا سے پیدا ہوئے۔ اس سے یہ مقصد نہین ہے کہ صرف مٹی یا پانی یا ہوا سے پیدا کئے گئے ہین۔

‡ مکانا سوی نصفا بیننا و بینک ان قرأت بضم السین ۱۲ تفسیر ابن عباس

وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٦﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ
ائْتُوْا صَفًّا وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٧﴾ قَالُوْا
يٰمُوْسٰىٓ اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٨﴾
قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ
سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٩﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٧٠﴾
قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٧١﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ
تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٧٢﴾
فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿٧٣﴾
قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ
السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ
لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ
عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿٧٤﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ
وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ

اور دور کر دین تمہاری اچھے طریقہ کو (یعنی دین کو) (۶۳) پہر جمع کر واپنے داؤن پہر آؤ قطار باندہکر اور بیشک کامیاب ہوا آج کے دن وہ شخص جو غالب آیا (۶۴) جادوگرون نے کہا ای موسٰی یا تو تو ڈال یا ہم ہون اول ڈالنے والے (۶۵) موسٰی نی کہا بلکہ تم ڈالو پہر یکایک انکی رسیون کا اور انکی لاٹھیون کا موسٰی کو خیال بندہ گیا اُنکے جادو سے کہ وہ دوڑتے ہیں (۶۶) پہر پایا اپنے دل میں ڈر موسٰی نی (۶۷) ہم نے موسٰی کو کہا مت ڈر بیشک تو ہی ہے غالب (۶۸) اور ڈال دی جو تیری داہنے ہاتھ میں ہی (یعنی اپنا عصا) نگل جاویگا جو کچھ کہ اُنہوں نے کیا ہی بیشک جو کچھ انہوں نی کیا ہی وہ جادوگر کا دہوکہ ہی اور نہیں کامیاب ہوتا جادوگر جہاں جائے (۶۹) پس ڈال دئے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئی اور اُنہون نی کہا کہ ہم ایمان لای ہارون اور موسٰی کی پروردگار پر (۷۰) فرعون نی کہا کہ کیا تم ایمان لا ئے اُسپر (یعنی موسٰی پر) اس سی پہلے کہ میں اجازت دون تمکو بیشک وہ (یعنی موسٰی) تمہارا گروہی جس نی تمکو سکہایا جادو پس بیشک میں کاٹونگا تمہاری ہاتھ اور تمہارے پاؤن برخلاف (یعنی ایک داہنا اور ایک بایان) اور بیشک تم کو سولی پر چڑہاؤنگا کہجور کے تھنون پر اور بیشک تم جانوگے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت ہے اور باقی رہنے والا ہے (۷۱) جادوگرون نے کہا کہ ہم تجھ کو ترجیح نہیں دینے کے اُس چیز پر کہ جو آئی ہے ہمارے پاس کھلی دلیل سے اور اُس پر جس نے پیدا کیا ہم کو پھر حکم کر جو کچھ تو حکم کرنے والا ہے اسکے سوا کیا ہے کہ تو حکم کریگا اس زندگانی دنیا میں بیشک ہم ایمان لائے ہیں اپنے پروردگار پر تاکہ بخشے ہمارے لئی ہماری گناہ اور جو تونے مجبور کرکے کروایا ہم سے

السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۵﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا
فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۶﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ
مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ
الْعُلٰى ﴿۷۷﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۸﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى
اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ﴿۷۹﴾ لَّا تَخٰفُ
دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۸۰﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ
مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۸۱﴾
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ
جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۲﴾
كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ
يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۳﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ
وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۴﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ
عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۵﴾

جادو او راللہ بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا (۷۵) بیشک جو کوئی آوے اپنے پروردگار کے پاس گنہگار ہوکر تو بیشک اُسکے لئے ہی جہنم نہ مرے گا اُس میں نہ زندہ رہے گا (۷۶) اور جو شخص کہ آیا اُسکے پاس ایمان لاکر اور اُس نے عمل کئے ہوں نیک پھر وہی ہیں کہ اُنکے لئے ہیں درجے بلند (۷۷) بہشتیں ہیں ہمیشہ رہنے کی جاری ہیں اُنکے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے اُس میں اور یہ ہے جزا اُس شخص کی جو پاک ہوا (۷۸) اور بیشک ہم نے وحی بھیجی موسیٰ پاس کہ راتوں رات لیچل ہمارے بندوں کو پھر اختیار کر اُنکے لئے رستہ دریا میں سوکھا (۷۹) اور نہ خوف کر آ پکڑنے سے (یعنی فرعون کے پیچھا کرنے سے) اور نہ ڈر (یعنی غرق ہونے سے) (۸۰) پھر اُنکا پیچھا کیا فرعون نے ساتھ اپنے لشکروں کے پھر اُنکو ڈھانک لیا دریا میں سے اُس چیز نے جس نے اُنکو ڈھانک لیا اور گمراہ کیا فرعون نے اپنی قوم کو اور راہ نہیں دکھلائی (۸۱) اے بنی اسرائیل بیشک ہم نے تمکو نجات دی تمہارے دشمنوں سے اور وعدہ دیا ہم نے تمکو طور کی داہنی طرف سے اور اُتارا ہم نے تم پر من اور سلویٰ (۸۲) کھاؤ پاک چیزوں سے جو ہم نے تم کو روزی دی اور اُس میں سرکشی مت کرو تا کہ اُترے تم پر میرا غضب اور وہ شخص جس پر میرا غضب اُترا ہلاک ہوا (۸۳) اور بیشک میں بخشنے والا ہوں اُس شخص کیلئے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے پھر اچھی راہ پر پڑا (۸۴) اور کیوں جلدی کی تو نے اپنی قوم سے (یعنی اپنی قوم کو چھوڑ کر جلد کیوں چلا آیا) اے موسیٰ (۸۵)

+ فاضرب - ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب برو - ترجمہ مولوی رفیع الدین صاحب مار - ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب ڈال دے - تفسیر ابن عباس فاضرب لھم بیّن لھم عبور موسیٰ اور غرق فرعون کی نسبت ہم پوری بحث اپنی تفسیر کی جلد اول صفحہ ۱۷ لغایت ۱۰۳ میں کر چکے ہیں۔

قَالَ هُمْ أُولَآءِ عَلٰٓى أَثَرِىْ وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٦﴾

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿٨٧﴾

فَرَجَعَ مُوْسٰٓى إِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ أَسِفًا ﴿٨٨﴾ قَالَ يٰقَوْمِ

أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ

أَمْ أَرَدْتُّمْ أَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ

مَّوْعِدِىْ ﴿٨٩﴾ قَالُوْا مَآ أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَ

لٰكِنَّا حُمِّلْنَآ أَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

أَلْقَى السَّامِرِىُّ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ

فَقَالُوْا هٰذَآ إِلٰهُكُمْ وَإِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِىَ ﴿٩٠﴾ أَفَلَا يَرَوْنَ

أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٩١﴾

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ

بِهٖ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِىْ وَأَطِيْعُوْٓا أَمْرِىْ ﴿٩٢﴾

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩٣﴾

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ

(موسیٰ نے) کہا کہ وہ لوگ ہیں جو میری پیروی پر ہیں اور میں جلدی سے آگیا تیری پاس ای میری پروردگار تاکہ تو راضی ہو (۸۶) (خدا نے) کہا کہ پہر ہم نے بیشک بلا میں ڈال دیا تیری قوم کو تیرے بعد اور گمراہ کیا اُنکو سامری نے (۸۷) *پہر پہر آیا موسیٰ اپنی قوم کی پاس غصے میں بہرا ہوا اور افسوس کرتا ہوا (۸۸) کہا موسیٰ نے ای میری قوم کیا نہیں وعدہ دیا تہا تم کو تمہارے پروردگار نے وعدہ اچہا؟ کیا لمبی ہو گئی تم پر مدت؟ کیا ارادہ کیا تم نے کہ اُترے تم پر غضب تمہاری پروردگار سی؟ پہر تم نے خلاف کیا میرے وعدہ کو (۸۹) انہوں نے کہا کہ ہم نے نہیں خلاف کیا تیرے وعدہ کو اپنے اختیار سے لیکن ہم سی اُٹہوائے گئے بوجہ قوم کے گہنوں کے پہر پہینک دیا ہم نے اُسکو پہر اسیطرح پہینک دیا سامری نے پہر اُسنے نکالا اُنکے لئے ایک بچہرا دہڑ والا اُسکے لئی بچہری کی آواز تہی پہر سامری کی لوگوں نے کہا کہ یہی تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا موسیٰ بہول گیا (۹۰) کیا وہ نہیں سمجہتے کہ وہ جواب نہیں دیتا اُنکو کسی بات کا اور نہیں کر سکتا اُنکے لئے کوئی بُرائی اور نہ کوئی نفع (۹۱) اور بیشک کہا اُنسے ہارون نے پہلے سی کہ اے میری قوم یقیناً تم اُسکے سبب سے بلا میں پڑے ہو اور بیشک تمہارا پروردگار خدا ہی پس میری پیروی کرو اور تابعداری کرو میری حکم کی (۹۲) انہوں نے کہا کہ ہم ہمیشہ اُسی پر متوجہ رہیں گے جب تک کہ پہر کر آوے ہمارے پاس موسیٰ (۹۳) موسیٰ نے کہا ای ہارون کس چیز نے تجہکو روکا

* سامری اور اُسکے بچہڑے کا قصہ ہم اپنی تفسیر جلد سوم میں صفحہ ۲۴۷ سے صفحہ ۲۵۳ تک بیان کر چکے ہیں اسلئے یہاں اِسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

إِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِیْ ﴿۹۴﴾

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ اِنِّیْ خَشِيْتُ

اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ﴿۹۵﴾

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِیُّ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ

يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا

وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ

فِی الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ

تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ

اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ

نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ

مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ

جبکہ تو نے اُنکو دیکھا کہ گمراہ ہوے اس بات سے کہ تو پیروی کرے میری کیا تو نے برخلاف کیا میرے حکم کے (۹۴) ہارون نے کہا اے میرے ماجاے بھائی نہ پکڑ میری ڈاڑہی اور نہ میرے سر کے بال بیشک میں ڈرا کہ تو کہے کہ جدائی ڈال دی تو نے بنی اسرائیل میں اور تو نے خیال نہ رکہا میری بات کا (۹۵) موسیٰ نے کہا پھر کیا ہے تیرا حال اے سامری سامری نے کہا کہ میں نے دیکھا اُس چیز کو کہ نہیں دیکھا اُسکو لوگوں نے پھر بھر لی میں نے ایک مٹھی خاک کی نقش قدم رسول سے پھر ڈال دیا میں نے اُسکو اور اسطرح اچھا دکھایا مجھکو میرے نفس نے (۹۶) کہا موسیٰ نے کہ دور ہو پھر بیشک تیرے لئے زندگی میں یہہ ہے (یعنی یہہ سزا ہی) کہ تو کہے کہ کوئی ملنے والا نہیں اور بیشک تیرے لئے اور وعدہ ہی جو ہرگز خلاف نہ کیا جاویگا اور دیکھہ اپنے معبود کو جسپر تو ہوا تھا متوجہ البتہ جلائینگے ہم اُسکو پھر ہم اُڑا دینگے اُسکو دریا میں اُڑا دینا (۹۷) اِسکے سوا کچھ نہیں کہ ہمارا معبود اللہ ہے کہ نہیں معبود کوئی بجز اُسکے سما گئی ہے ہر چیز اُسکے علم میں (۹۸) اسیطرح ہم بیان کرتے ہیں تجھپر اُن خبروں میں سے جو پہلے گذری ہیں اور بیشک ہم نے دی ہے تجھکو اپنے پاس سے نصیحت (۹۹) جو شخص کہ منہہ پھیرے اُس سے پھر بیشک وہ اُٹھاویگا قیامت کے دن بوجھ (۱۰۰) ہمیشہ رہیں گے اُس میں اور بُرا ہے اونکے لئے قیامت کے دن بوجھ اوٹھانا (۱۰۱) جس دن کہ پھونکی جاوے گی صور اور اکٹھا کرینگے ہم گنہگاروں کو

+ لامساس لاتخالط ولاتخالط (تفسیر ابن عباس)

يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا
عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ
طَرِيقَةً إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ
فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا
لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَّلَا أَمْتًا ﴿١٠٦﴾ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ
الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ
فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا
مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٨﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١٠٩﴾ وَ
عَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١٠﴾
وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ
ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١١﴾ وَكَذٰلِكَ أَنزَلْنٰهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا
وَّصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ
لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٢﴾

اُس دن اُلٹی ہوئی آنکھون کے (۱۰۲) چپکے سے آپس مین کہتے ہونگے کہ تم نہین رہے (یعنی دنیا میں) مگر دس دن (۱۰۳) ہم خوب جانتے ہین جو کچھ وہ کہتے ہین جب کہے گا اُنکے طریقہ مین کا سب سے اچھا کہ نہیں رہے تم مگر ایک دن (۱۰۴) اور تجھ سے پوچھتے ہین پہاڑون کا حال (یعنی قیامت کے دن اُن کا کیا حال ہوگا) پھر اے پیغمبر تو کہدے کہ اوڑاویگا اُن کو میرا پروردگار اوڑا کر (۱۰۵) پھر چھوڑ دیگا اُس کو (یعنی زمین کو) میدان صاف نہیں دیکھنے کا تو اُس مین کچھ ٹیڑہا پن اور نہ اونچان (۱۰۶) اُس دن پیچھے دوڑینگے پکارنے والے کی آواز کے نہیں ہونیکا ٹیڑہا پن اُس (دوڑ کے چلنے) میں اور بیٹھہ جاوینگی آوازین خدا کے لئے (یعنی خدا کی ہیبت سے) پھر تو نہ سُنے گا مگر بھنبھناہٹ (۱۰۷) آج کے دن نہ فائدہ دیگی شفاعت مگر اُسکو جسکے لئے اجازت دی ہو خدا نے اور پسند کیا ہو اُسکے لئے اُسکا قول (۱۰۸) جانتا ہے جو کچھ کہ اُنکے سامنے ہے اور جو کچھ کہ اُنکے پیچھے ہے اور وہ نہیں احاطہ کرتے خدا کے علم کو (۱۰۹) اور رگڑتے ہین مونہہ زندہ قایم رہنے والے کے لئے (یعنی خدا کے لئے) اور بیشک نامراد ہوا جس نے اُٹھالیا ظلم کو (یعنی اختیار کیا کفر کو) (۱۱۰) اور جس نے عمل کیا اچھا اور وہ ایمان والا ہے پھر وہ نہ ڈرے ظلم سے اور نہ نقصان سے (۱۱۱) اور اسیطرح اُتارا ہم نے قرآن عربی زبانمیں اور ہمنے طرح طرح سے اُسمین بیان کیا ہے ڈرانیکا تا کہ وہ پرہیزگار ہون یا پیدا کرے انکے لئے نصیحت (۱۱۲)

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ

اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٣﴾

وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٤﴾

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ

اِبْلِيْسَ اَبٰى فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٥﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ

فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٦﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٧﴾

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ

الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١١٨﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا

وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰۤى اٰدَمُ

رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿١١٩﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿١٢٠﴾

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا

يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ﴿١٢١﴾ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ

وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٢﴾

پس بہت بلند مرتبہ کا ہے اللہ بادشاہ ہے برحق اور جلدی مت کر قرآن کی ساتھ (یعنی قرآن کے طلب کرنے میں) پہلے اس سے کہ اخیر تک پہونچائی جاوی تیرے پاس اُس کی وحی اور کہہ اے میرے پروردگار زیادہ دے مجکو علم (۱۱۳) اور بیشک ہمنے عہد کیا تھا آدم سی اس سی پہلے پھر وہ بھول گیا اور نہیں پایا ہمنے اُسکے لئے قصد کرنا* (۱۱۴) اور جب کہا ہم نے فرشتون کو کہ سجدہ کرو آدم کو پہر اونہون نے سجدہ کیا مگر شیطان نے نہ مانا پہر کہا ہم نے اے آدم یہ ہے دشمن تیرا اور تیری بیوی کا کہین نہ نکالدے تم دونون کو جنت سے پہر تو تکلیف میں پڑے (۱۱۵) اب تو تیرے لئے ہے کہ نہ تو بھوکا ہوتا ہے اُس میں (یعنی جنت میں) اور نہ ننگا (۱۱۶) اور بیشک تو نہ پیاسا ہوتا ہے اُس میں اور نہ دہوپ سے تکلیف پاتا ہے (۱۱۷) پہر وسوسہ ڈالا اُسکے (دل) میں شیطان نے کہا اے آدم کیا میں پہونچا دون تجھکو ہمیشہ رہنے کے درخت کے پاس اور بادشاہت کے جسکو زوال نہ ہو (۱۱۸) پہر کہالیا دونون نے اُس میں سے پہر کہل گئین اون پر بُرائیان اُنکی اور لگے لپیٹنے اپنے پر پتے بہشت کے اور نافرمانی کی آدم نے اپنے پروردگار کی پہر بہک گیا (۱۱۹) پہر مہربانی کی اُس پر اُسکے پروردگار نے پہر متوجہ ہوا اُس پر اور ہدایت کی (۱۲۰) کہا اُترجاؤ تم سب اُس سی (یعنی جنت سے) ایک تم میں کا دوسرے کا دشمن ہے پہر اگر پہونچے تمہارے پاس میری طرف سی ہدایت (۱۲۱) تو جو شخص تابعداری کریگا میری ہدایت کی تو نہ گمراہ ہوگا نہ تکلیف میں پڑیگا (۱۲۲)

* قصۂ آدم کے متعلق قرآن مجید میں جتنی آیتین آئی ہیں اُنکی مفصل تفسیر ہم اپنی تفسیر جلد اول میں صفحہ ۶۰ سے صفحہ ۶۹ تک اور جلد سوم میں صفحہ ۱۰۶ سے ۱۰۷ تک بیان کر چکے ہیں۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَعْمٰى ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ أَعْمٰى وَقَدْ
كُنْتُ بَصِيرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيتَهَا
وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ
وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَشَدُّ وَ
أَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ
يَمْشُونَ فِي مَسٰكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِأُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ
مُسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ
طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ
وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ
إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَأْمُرْ
أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا

اور جس نے موںنہہ پہیرا میری یاد سے تو بیشک اُسکے لئے ہے زندگی تنگ (۱۲۴)
اور ہم اُسکو اُٹھاوینگے قیامت کے دن اندہا (۱۲۴) کہے گا اے میرے پروردگار
کیون تو نے مجکو اُٹھایا اندہا اور بیشک میں تہا دیکہنے والا (۱۲۵) خدا کہے گا کہ یہی تو ہی آئی
نہیں تیرے پاس ہماری نشانیان پہر تُو انکو بہول گیا اسیطرح آج کے دن بُہلا دیا
جاویگا (۱۲۶) اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں اُسکو جو حد سے گذر گیا اور نہیں ایمان لایا
اپنے پروردگار کی آیتون پر اور بیشک عذاب آخرت کا بہت سخت ہے اور ہمیشہ
رہنے والا (۱۲۷) کیا نہیں سوجہا اُنکو کتنے ہلاک کئے ہمنے اُنسے پہلے گروہ آدمیون
کے کہ وہ چلتے پہرتے ہیں اُنکے گہرون میں بیشک اس میں نشانیان ہیں عقلمندون
کے لئے (۱۲۸) اور اگر نہوتی ایک بات جو ہو چکی تیرے پروردگار سے تو عذاب
لگ جاتا اور (اگر نہوتا) وقت معین (۱۲۹) پس صبر کر اوس پر جو وہ کہتے ہیں
اور تسبیح کیا کر اپنے پروردگار کی تعریف کی آفتاب کے نکلنے سے پہلے اور
اُسکے ڈوبنے سے پہلے اور رات کی کچھ گہڑیون میں تسبیح کیا کر اور دن کے
کنارون پر شاید کہ تو راضی ہو (۱۳۰) اور مت کہول تو اپنی دونون آنکہین اُس چیز
کی طرف جس سے فائدہ پہونچایا ہے ہم نے لوگوں کو اُن میں سے (یعنی
کافرون میں سے) آرایش دنیا کی زندگی کی تاکہ ہم مبتلا کرین اُنکو اُس میں اور
بخشش تیرے پروردگار کی اچھی ہے اور ہمیشہ رہنے والی (۱۳۱) اور
حکم کر اپنے گہر والون کو نماز کا اور قایم رہ تو اوسپر

لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۗ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي

الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ

قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ

فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ

السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ



ہم نہین مانگتے تجھسے روزی ہم دیتے ہیں روزی تجھ کو اور آخرت پرہیزگارون
کیلئے ہے (۱۳۲) اور (کافرون نے) کہا کیون نہیں لاتا ہمارے پاس کوئی نشانی
اپنے پروردگار سے کیا نہیں آئی اُنکے پاس نشانی جو پہلی کتابون میں ہے (۱۳۳)
اور اگر ہم ہلاک کرڈالتے انکو عذاب سے اُس سے پہلے تو کہتے اے ہمارے
رب کیون نہ بھیجا تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر تاکہ ہم پیروی کرتے تیری آیتون
کی پہلے اِس سے کہ ہم ذلیل ہون اور رسوا ہون (۱۳۴) کہدے اے پیغمبر
ہر شخص انتظار کرتا ہے تم بھی انتظار کرو پھر تم جلد جان لوگے کہ کون ہیں
سیدھے رستہ والے اور کس نے ہدایت پائی (۱۳۵)

بالخیر



نام کتاب	قیمت
النظر۔ مصنفہ سر سید احمد خان مرحوم۔ اس میں آٹھ رسالے شامل ہیں جن میں امام غزالی کے بعض مضامین پر محققانہ بحث کی گئی ہے	۱۲؍
ابطال غلامی۔ مصنفہ سر سید احمد خان مرحوم۔ اس میں نہایت تحقیق اور اجتہادات اسبات پر بحث کی گئی ہے کہ اسلام نے غلامی کو باطل ٹھیرایا ہے	عہ؍
امہات المومنین کا جواب۔ یہ سر سید کا آخری مضمون ہے جو وفات سے چند دن قبل لکھنا شروع کیا تھا	۴؍
آیات اللہ الکاملہ۔ ترجمہ اُردو کتاب حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث	عہ ۱۲؍
اعجاز التنزیل۔ مصنفہ خلیفہ سید محمد حسن صاحب مرحوم وزیر اعظم ریاست پٹیالہ	ے
دعوت اسلام۔ ترجمہ پریچنگ آف اسلام مصنفہ ٹی ڈبلیو آرنلڈ	ے؍
رسائل شبلی۔ شمس العلما مولوی شبلی نعمانی کے گیارہ مختلف مضامین کا مجموعہ	عہ ۸؍
الفاروق ہر دو حصہ۔ یعنی حضرت عمر فاروقؓ کی مکمل سوانح عمری مرتبہ شمس العلما مولوی شبلی	للعہ؍
المامون مع الجزیہ۔ یعنی مامون الرشید کی زندگی کے واقعات	عہ؍
سیرۃ النعمان۔ سوانح عمری امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مصنفہ شمس العلما مولوی شبلی	عہ ۵؍
تاریخ علم کلام حصہ اول۔ شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کی سب سے آخری اور نئی تصنیف	عہ ۴؍
عجائب الاسفار جلد اول۔ یعنی سفرنامہ شیخ ابن بطوطہ	للعہ ۸؍
عجائب الاسفار جلد دوم ″ ″ ″	للعہ ۴؍
سفرنامہ روم و مصر و شام۔ شمس العلما مولانا محمد شبلی نعمانی کا سفرنامہ	عہ ۵؍
مسیر حامدی۔ یعنی سفرنامہ جناب نواب محمد حامد علی خان بہادر والی ریاست رامپور متعلقہ سفر یوروپ	۱ ے
وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر۔ جس میں واقعات عہد سلطنت شاہجہان و اورنگ زیب درج ہیں قیمت ہر دو حصہ	للعہ ۸
حیات جاوید۔ یعنی لائف سر سید احمد خان مرحوم بلا ضمیمہ جات طبع دوم	ے
تزک عبدالرحمانی کے ہر دو حصہ جات جسمیں امیر عبدالرحمن خان نے خود اپنی سوانح عمری لکھی ہے اور اُسکا اُردو ترجمہ (محمد حسن خانصاحب نے کیا ہے) قیمت ہر دو حصہ	ے؍

اشتہار

اس کتاب کی رجسٹری حسب قانون بست ۱۸۶۷ع بحق
مدرستہ العلوم علیگڈھ کرادی گئی ہے کوئی صاحب قصد
طبع نہ فرمائین ورنہ بعوض نفع کے نقصان اُٹھائینگے
اور جسقدر کتابون کی ضرورت ہو ڈیوٹی بک ڈپو
مدرستہ العلوم علیگڈھ سے طلب فرمالین فقط

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ